351 اکتوبر ۲۰۱۱ء

مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی
حفظہ اللہ

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ملّتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلّہ

مُحدِّث

۲ مسئلہ توہین رسالت اور قانون کو ہاتھ میں لینا؟
۲۰ عشرہ ذوالحجہ کے احکام ومسائل
۴۵ توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خاں ناصر

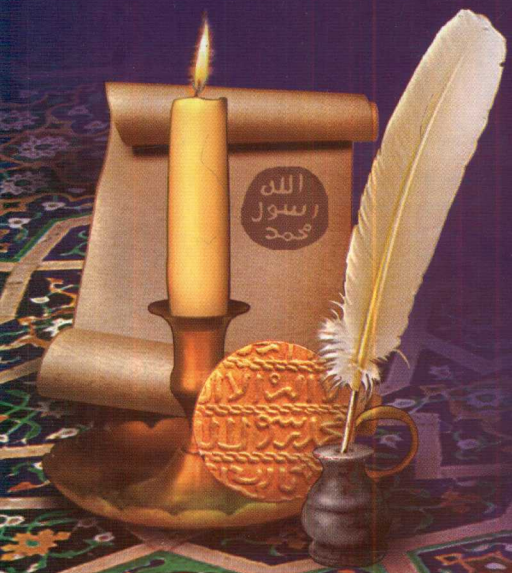

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL
PAKISTAN
مجلس التحقیق الاسلامی

ملتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

مدیر اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی
only for SMS
0333-4213525

ماہنامہ محدث لاہور پاکستان

جلد ۴۳/شمارہ ۹،۱۰ --- ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ --- اکتوبر ۲۰۱۱ء

محتویات

فکر و نظر

مسئلہ توہین رسالت اور قانون کو ہاتھ میں لینا؟	ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	۲

احکام و شرائع

عشرہ ذوالحجہ کے احکام و مسائل	فاروق رفیع	۲۰

تحقیق و تنقید

توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خاں ناصر	مفتی ڈاکٹر عبد الواحد	۴۵
مسئلہ توہین رسالت پر محدث کا کردار	مولانا عبد القیوم حقانی	۷۶

یاد رفتگان

اک محافظِ ملت محمد عطاء اللہ صدیقی کی یاد میں	ڈاکٹر عمران وحید	۷۷
فکر اسلامی کا بے باک ترجمان اور غیور پاسبان	حافظ شفیق الرحمن	۸۳
اِک چراغ اور بجھا...!	روبینہ شاہین	۸۹
حافظ نذر احمد؛ اک ان تھک خادمِ قرآن	ڈاکٹر مزمل احسن شیخ	۹۲

مدیر معاون
کامران طاہر
0302 4424736

زر سالانہ =/۳۰۰ روپے
فی شمارہ =/۳۰ روپے

بیرون ملک
زر سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۲ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
042-35866476
35866396
35839404
Email:
mkamrantahir@gmail.com
Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore
Designing (Abdul Wasea)
Crystal Art Lahore 0323-7471862-1

Islamic Research Council

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں!

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلۂ توہین رسالت اور قانون کو ہاتھ میں لینا؟

پاکستان میں اس وقت توہین رسالت کا ایک اہم وقوعہ درپیش ہے جس میں ملوث ہونے کی بنا پر پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو ہلاک کر دیا گیا۔ پنجاب کی دہشت گردی کی عدالت نے قتل کرنے والے ممتاز قادری کو دوبار موت کی سزا سنائی۔ سرزمین پاکستان کے بعض مشہور تاریخی واقعات مثلاً لاہور میں غازی علم دین شہید اور کراچی میں غازی عبد القیوم کے اقدام قتل کے بعد تحفظِ ناموسِ رسالت کے سلسلے کا یہ تیسرا مشہور مقدمہ ہے۔

پاکستان کے دینی اُفق پر اس وقت ممتاز قادری کا کیس اہم حیثیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ۴ جنوری ۲۰۱۱ء کی سہ پہر ممتاز قادری نے پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو اسلام آباد میں ان کی حفاظت پر مامور ہونے کے دوران گولیوں کا برسٹ مار کر ہلاک کر دیا۔ گرفتاری کے بعد ممتاز قادری نے گورنر کے قتل کا برملا اعتراف کیا اور ابتدائی تفتیش میں یہ بیان دیا کہ

"گورنر پنجاب نے قانون توہین رسالت کو 'کالا قانون' قرار دیا تھا، اس لیے گستاخِ رسول کی سزا موت ہے۔ سلمان تاثیر گستاخِ رسول تھا، اس نے چونکہ قانون توہین رسالت کے تحت عدالت سے سزا پانے والی ملعونہ آسیہ مسیح کو بچانے کا عندیہ دے کر خود کو گستاخِ رسول ثابت کر دیا تھا، اس پر میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔"

دہشت گردی کی عدالت میں اُن پر مقدمہ چلایا گیا اور عدالت میں یہ بیان دیا:

"اپنے محلے مسلم ٹاؤن میں ہونے والی تحفظِ ناموسِ رسالت کانفرنس ﷺ سے متاثر ہو کر گورنر سلمان تاثیر کو واجب القتل مانتے ہوئے قتل کا ارادہ کیا تھا اور قتل سے قبل یہ لکھ کر اپنی جیب میں چٹ ڈال لی: گستاخِ رسول کی سزا موت ہے، موت ایک دن آنی ہے تو پھر ناموسِ رسالت کے تحفظ پر جان قربان ہو جائے تو کیا کہنا۔"[1]

ممتاز قادری کی سزا کا معمہ اس وقت پاکستان کے مقتدر طبقہ اور عدلیہ کے لئے گلے کی

۱ روزنامہ نوائے وقت: ۲ر اکتوبر ۲۰۱۱ء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھانس بنا ہوا ہے۔ اس کو معاف کیا جائے تو پاکستان کے اہل اقتدار، ذمہ داران اور ایسے دین بیزار قائدین کی جان کو ہر وقت خطرات لاحق رہتے ہیں جو بیانات دیتے ہوئے اسلامی تقاضوں کی پروا نہیں کرتے۔ ممتاز قادری نے محافظ ہوتے ہوئے جس جارحیت کے ساتھ سابق گورنر پر گولیوں کا برسٹ مارا ہے، اس میں دوسروں کے لئے عبرت کے بہت سے نشان موجود ہیں۔ دوسری طرف قانون کو ہاتھ میں لینا اور کسی کے ماورائے عدالت قابل قتل ہونے کا ذاتی فیصلہ کرکے اس پر عمل درآمد کرلینا، ایک ایسے باب کو کھولنے کے مترادف ہے جو پاکستان میں قتل وغارت گری کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کردے گا۔ لیکن اگر ممتاز قادری کو سزا دی جائے تو وہ کون ہے، جو شانِ رسالت میں گستاخی کرنے والے کا حامی وناصر بننا پسند کرے۔ کیونکہ ممتاز قادری نے جس صورتحال میں ارتکابِ قتل کیا ہے، اس میں مقتول کے رویے اور اقدامات کے بارے میں ہر ذہن میں گہرے شبہات پائے جاتے ہیں اور قومی میڈیا پر ہر ایک نے اِس تحفظ کا برملا اظہار بھی کیا ہے۔

یکم اکتوبر ۲۰۱۱ء کو دہشت گردی کی عدالت نمبر ۲ کے جج پرویز علی شاہ نے ۱۰ ماہ کے بعد اڈیالہ جیل، راولپنڈی میں ممتاز قادری کے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے قرار دیا کہ

"آپ نے جو کام کیا ہے، اسلام کی رو سے وہ ٹھیک ہے، لیکن ملکی قانون کی دفعہ ۳۰۲ ت پ کے تحت آپ کو دوبار سزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانہ کی سزا سنائی جاتی ہے۔ پانچ صفحات پر پھیلے فیصلے میں کہا گیا کہ ملزم نے کہا کہ مرتد کو مارا ہے، قتل نہیں کیا۔ اس طرح ملزم نے اعترافِ جرم کیا ہے۔ فیصلے کی رو سے ممتاز قادری سات روز کے اندر ہائیکورٹ میں اپیل دائر کرسکتے ہیں۔"[1]

عدالت کے اس فیصلے کے بعد سے ملک بھر میں مظاہرے اور شدید احتجاج شروع ہو گئے، ۷/ اکتوبر کے جمعۃ المبارک کو دینی جماعتوں کی اتحاد کونسل نے ہڑتال کی کال دی جس کے نتیجے میں پورے ملک میں بھرپور ہڑتال منا کر، ممتاز قادری کیس کے فیصلے کے خلاف اظہارِ یکجہتی کیا گیا۔ ممتاز قادری کے مسلسل انکار کے باوجود، آخرکار اُنہیں اپیل پر راضی کرلیا گیا اور لاہور ہائیکورٹ کے سابق چیف جسٹس خواجہ محمد شریف اور جسٹس رنذیر احمد غازی وغیرہ پر مشتمل وکلا کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو اسلام آباد ہائیکورٹ میں اپیل کے دوران ممتاز قادری کی طرف سے دفاع اور وکالت کے فرائض انجام دے گی۔ اس اہم قانونی

---

۱ صفحہ اوّل، ایضاً

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وشرعی مرحلے پر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس وقوعہ کا شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے اور جرم توہین رسالت کے بارے میں جو دعوے مختلف اطراف سے کئے جارہے ہیں، ان کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔

اس سلسلے میں عوام الناس، پڑھے لکھے لوگوں اور قانون سے وابستہ افراد میں ایک سوال کا بڑی شدت سے تذکرہ کیا جاتا ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لینا ایک سنگین جرم ہے، اگر سلمان تاثیر نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا بھی تھا تو پھر عدالت کو اُس سے مطلع کرنا چاہئے تھا، نہ کہ خود قانون کو ہاتھ میں لے لیا جاتا۔ اگر قانون کو ہاتھ میں لینے کی یہ روش یونہی جاری رہی تو معاشرے میں کسی کی جان ومال محفوظ نہ رہے گی!!

توہین رسالت کی شرعی سزا سے صرفِ نظر کرتے ہوئے — کیونکہ اس ضمن میں کتاب وسنت کی واضح ہدایات اور ائمہ اسلاف کے فرامین کے علاوہ اجماع اُمت کا تذکرہ اس سے قبل متعدد بار ہوچکا ہے — ذیل میں ہم دورِ رسالت سے ایسے واقعات کو پیش کرتے ہیں جن میں توہین رسالت کے جرم میں قانون کو ہاتھ میں لیا گیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دربارِ رسالت مآب سے ایسے مجرموں کے بارے میں کیا فیصلے صادر ہوئے؟

مغربی قانون کا یہ مسلمہ تصور ہے کہ ماتحت عدلیہ بالاتر عدالتوں کے فیصلوں کی پابند ہوتی ہیں۔ مسلمان ہونے کے ناطے کسی بھی مسلمان جج کے لئے سب سے بڑی عدالت سید المرسلین اور نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی عدالت ہے، اس نوعیت کے جھگڑے اور قتل دور نبوی میں بھی آپؐ کے سامنے پیش آئے اور آپ نے اسلامی ریاست کے عظیم ترین اور اوّلین قاضی ہوتے ہوئے اپنی رہنمائی اُمتِ محمدیہ کے لئے چھوڑی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل احادیث ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

① نابینا صحابی کا گستاخِ رسول اُمّ ولد کو قتل کردینا

یہ مشہور واقعہ بہت سی کتب حدیث میں سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے:

أن أعمٰى كان علىٰ عهد رسول الله ﷺ وكانت له أم ولد وكان له منها ابنان وكانت تكثر الوقيعة برسول الله ﷺ وتسبّه فيزجرها فلا تزدجر وينهاها فلا تنتهي فلما كان ذات ليلة ذكرت النبي ﷺ فوقعت فيه فلم أصبر أن قمت إلى المغول فوضعته في بطنها فاتكأت عليه فقتلتُها فأصبحتْ قتيلا. فذُكر ذلك للنبي ﷺ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فجمع الناس وقال: «أنشد الله رجلا لي عليه حق فعل ما فعل إلا قام» فأقبل الأعمٰى يتدلدل. فقال: يا رسول الله! أنا صاحبها كانت أم ولدي وكانت بي لطيفة رفيقة ولي منها ابنان مثل اللؤلؤتين، لكنها كانت تكثر الوقيعة فيك وتشتمك فأنهاها فلا تنتهي وأزجرها فلا تزدجر فلما كانت البارحة ذكرتك فوقعت فيك فقمتُ إلى المغول فوضعته في بطنها فاتكأت عليها حتى قتلتها فقال رسول الله ﷺ: «ألا اشهدوا أن دمها هدر»[1]

"رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک نابینا صحابی تھا، اس کی ایک باندی تھی جس سے اس صحابی کے دو بچے تھے۔ وہ اکثر اللہ کے رسول ﷺ کو بُرا بھلا کہتی۔ نابینا اُسے ڈانٹتا لیکن وہ نہ مانتی، منع کرتا تو وہ باز نہ آتی۔ وہ شخص کہتا ہے کہ ایک رات میں نے نبی کریم ﷺ کا تذکرہ کیا تو اُس نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا، میں نے خنجر اُٹھایا اور اس کے پیٹ میں دھنسا دیا، وہ مر گئی۔ صبح جب وہ مردہ پائی گئی تو لوگوں نے اس کا تذکرہ نبی ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: میں اسے خدا کی قسم دیتا ہوں جس پر میرا حق نبوت ہے کہ جس نے یہ کام کیا ہے وہ اُٹھ کھڑا ہو۔ یہ سن کر وہ نابینا گرتا پڑتا آگے بڑھا اور عرض کی: "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا کام ہے، یہ عورت میری لونڈی تھی اور مجھ پر بہت مہربان اور میری رفیق تھی۔ اس کے بطن سے میرے دو ہیرے جیسے بچے ہیں، لیکن وہ اکثر آپ کو بُرا کہتی تھی، میں منع کرتا تو نہ مانتی، جھڑکتا تو بھی نہ سنتی، آخر گزشتہ رات اس نے آپ ﷺ کا تذکرہ کیا اور آپ کی شان میں گستاخی کی، میں نے خنجر ربر چھی اُٹھایا اور اس کے پیٹ میں مارا، یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب لوگ گواہ رہو، اس لونڈی کا خون رائیگاں ہے۔"

② عمیر رضی اللہ عنہ بن اُمیہ کا اپنی گستاخ رسول بہن کو قتل کرنا

اسی نوعیت کا واقعہ عمیر بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، جنہوں نے گستاخی پر اپنی مشرکہ بہن کو قتل کر دیا۔ جب مقتولہ کے بیٹوں نے شور وغل کیا اور قریب تھا کہ اس بنا پر وہ کسی اور

[1] سنن ابوداود: ۴۳۶۱، سنن نسائی: ۴۰۷۵... علامہ البانیؒ اس حدیث کے بارے فرماتے ہیں: إسناده صحيح علىٰ شرط مسلم (إرواء الغليل: ۹۲/۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشکوک شخص کو قتل کر بیٹھتے تو عمیرؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور سارے معاملے کی خبر دی۔ تو آپ ﷺ نے عمیرؓ سے پوچھا کہ

فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ: «أَقَتَلْتَ أُخْتَكَ؟» قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «وَلِمَ؟» قَالَ: إِنَّهَا كَانَتْ تُؤْذِينِي فِيكَ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَىٰ بَنِيهَا، فَسَأَلَهُمْ، فَسَمَّوْا غَيْرَ قَاتِلِهَا، فَأَخْبَرَهُمُ النَّبِيُّ بِهِ وَأَهْدَرَ دَمَهَا قالوا: سَمْعًا وَّطَاعَةً[1]

"آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تو نے اپنی بہن کو قتل کر دیا ہے؟ جواب دیا: ہاں! نبی کریم ﷺ نے پوچھا: تو نے اسے کیوں قتل کیا؟ عمیر نے جواب دیا: وہ آپ ﷺ کو بُرا بھلا کہہ کر مجھے تکلیف دیتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے بیٹوں کی طرف پیغام بھیج کر، اُن سے قاتلوں کے بارے میں دریافت کیا۔ اُنہوں نے کسی اور کا نام لیا۔ آپ ﷺ نے اُنہیں صحیح قاتل کے بارے میں بتایا اور اس عورت کا خون رائیگاں قرار دیا تو اُن بیٹوں نے کہا: ہم نے سنا اور مان لیا۔"

مذکورہ بالا دونوں واقعات میں گستاخ رسول کو سزا دینے والے نے قانون کو ہاتھ میں لیا اور نبی کریم ﷺ نے قانون کو ہاتھ میں لینے پر اُن کو کوئی سزا دینے کی بجائے، اہانتِ رسول کا جرم ثابت ہو جانے پر مقتولین کا خون رائیگاں قرار دیا اور قاتلوں پر کوئی سزا عائد نہ کی بلکہ ذیل کے دو واقعات میں تو شاتم رسول کو کیفر کردار تک پہنچانے والے کے حق میں زبان رسالت سے تعریف بھی مذکور ہے، ملاحظہ فرمایئے:

③ بنو خطمہ کی شاتمہ عصما بنتِ مروان کا قتل

عصما بنتِ مروان نبی کریم ﷺ کی عیب جوئی کرتی، آپ کو ایذا پہنچاتی اور لوگوں کو آپ کے خلاف اُبھارتی، اکثر ہجویہ اشعار پڑھا کرتی۔ عمیر بن عدی خطمی رضی اللہ عنہ تک جب یہ اشعار پہنچے اور نبی کریم ﷺ کی عیب جوئی پہنچی تو اُنہوں نے اِس گستاخ عورت کو قتل کرنے کی نذر مان لی۔ جنگِ بدر سے واپسی پر ایک رات عمیرؓ نے اس عورت کو اس کے گھر میں داخل ہو کر قتل کر دیا۔ یہ بات نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بتا دی۔ قتل کرنے کے بعد عمیرؓ نے فجر کی نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ پڑھی تو آپ نے کہا: تم نے آخر کار اُسے قتل کر دیا؟

1 المعجم الکبیر للطبرانی ۱۷/۶۴ (۱۲۴)، مجمع الزوائد: ۶/۳۹۸ (۱۰۵۷۰) ورُواته ثقات، اسد الغابہ: ۴/۲۷۳، الاصابہ: ۴/۵۹۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَالَ: نَعَمْ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ... فَالْتَفَتَ النَّبِيّ ﷺ إِلَى مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ: «إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَى رَجُلٍ نَصَرَ اللهَ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ فَانْظُرُوا إِلَى عُمَيْرِ بْنِ عَدِيّ»[1]

''ہاں! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ اگر تم ایسے شخص کو دیکھنا چاہو جس نے غیب سے اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی ہے تو عمیر بن عدی کو دیکھ لو۔''

اسی موقع پر شاعر رسول ﷺ سیدنا حسانؓ بن ثابت نے یہ شعر کہے:

بَنِي وَائِلٍ وَبَنِي وَاقِفٍ ۔۔۔ وَخَطْمَةَ دُونَ بَنِي الْخَزْرَجِ
مَتَى مَا دَعَتْ أُخْتُكُمْ وَيْحَهَا ۔۔۔ بِعَوْلَتِهَا وَالْمَنَايَا تَجِي
فَهَزَّتْ فَتًى مَاجِدًا عِرْقُهُ ۔۔۔ كَرِيمَ الْمَدَاخِلِ وَالْمَخْرَجِ

جس فعل کی زبانِ رسالت سے تائید صادر ہوئی ہو، اس کے بارے میں یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ نعوذ باللہ وہ قابل سزا جرم ہے۔

④ یہودیہ کا قتل

شاتم رسول کو خود سزا دینے کی تائید سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

أن يهودية كانت تشتم النبي ﷺ وتقع فيه فخنقها رجل حتى ماتت فأبطل رسول الله ﷺ دمها[2]

''بلاشبہ ایک یہودی عورت نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیا کرتی اور آپ کے بارے میں نازیبا کلمات کہا کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اس کا گلا گھونٹ دیا، یہاں تک کہ وہ مر گئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا خون باطل قرار دیا۔''

⑤ خیر القرون میں ایسے واقعات اور بھی ہیں جن میں شاتم رسول کو از خود سزا دی گئی اور بعد میں عدالتِ نبویہ یا خلفائے راشدین کے پاس ایسے مقتولین کی شکایت کی گئی اور حاکم وقت نے ایسے معاملات کو نظر انداز کیا۔ ان واقعات میں حضرت عمرؓ کا وہ مشہور واقعہ بھی ہے جب اُنہوں نے ایک ایسے منافق کو جو نبی کریم ﷺ کا فیصلہ تسلیم نہ کرنے کے

1 کتاب الاموال از ابو عبید قاسم، طبقاتِ سعد، المغازی للواقدی: ج ۱ ص ۱۷۳، الصارم المسلول: ۱/ ۱۰۳

2 ابو داود: ۴۳۶۲، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۷/ ۶۰، ۹/ ۲۰۰، ۹/ ۳۷۵ علامہ البانیؒ نے فرمایا: إسناده صحيح على شرط الشيخين ''اس کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔'' (ارواء الغلیل: ۵/ ۹۱، رقم ۱۲۵۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعد آپؐ کے پاس فیصلہ کے لئے آیا تھا، قتل کر دیا تھا۔ اس کے ورثا یہ معاملہ نبی کریم ﷺ کے پاس لے کر گئے اور نبی کریم کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس واقعہ کی خبر دے دی تھی۔ نبی ﷺ نے مقتول کا خون رائیگاں قرار دیا۔

اس مرحلہ پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں:

هٰكذا أقضي بين من لم يرض بقضاء رسول الله. فأتى جبريل رسول الله ﷺ فقال: إن عمر قد قتل الرجل وفرق الله بين الحق والباطل على لسان عمر. فسُمِّي الفاروق[1]

"اس (بظاہر مسلمان) کے بارے میرا فیصلہ یہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا۔ پھر جبریل نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ عمر نے اس کو قتل کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان سے حق اور باطل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس بنا پر عمر کا نام 'فاروق' رکھ دیا گیا۔"

اس مشہور واقعہ کے بارے میں یاد رہنا چاہئے کہ ابن لہیعہ کے ضعیف طریق کے علاوہ ابو مغیرہ اور شعیب بن شعیب کی صحیح سند سے بھی مروی ہے۔ اس بنا پر امام احمد بن حنبل، علامہ ابن تیمیہ، اور حافظ ابن کثیر کی تحقیق یہ ہے کہ دیگر صحیح اسانید کی بنا پر یہ واقعہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ اس واقعہ کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں:

و هٰذا المرسل له شاهد من وجه آخر يصلح للاعتبار[2]

"دیگر شواہد کی بنا پر اس مرسل روایت پر اعتبار کرنا درست ہے۔"

مذکورہ بالا دونوں واقعات میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسول ﷺ کو شاتم رسول کے قتل کئے جانے کی خبر دی، جبکہ پہلے واقعہ میں نبی ﷺ نے ایسے قاتل کی تعریف بھی فرمائی اور دوسرے واقعہ میں جبریل امین نے یہ کہہ کر عمر فاروق کی تعریف کی کہ "اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق و باطل کو نمایاں کر دیا۔"

⑥ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں بحرین کے بشپ کو بھی یونہی قتل کیا گیا:

أن غلمانًا من أهل البحرين خرجوا يلعبون بالصوالجة، وأسقف

---

۱ تفسیر الدر المنثور: ۲/ ۱۸۰، لباب النقول: ۱/ ۹۰، مسند الفاروق: ۲/ ۸۷۶

۲ الصارم المسلول از شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱/ ۴۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البحرين قاعد فوقعت الكرة على صدره فأخذها، فجعلوا يطلبونها منه فأبى، فقال غلامهم: سألتك بحق محمد ﷺ إلا رددتها علينا، فأبى -لعنه الله- وسبّ رسول الله، فأقبلوا عليه بصوا ليجهم، فما زالوا يخبطونه حتى مات، فرفع ذلك إلى عمر بن الخطاب، فوالله ما فرح بفتح ولا غنيمة كفرحه بقتل الغلمان لذلك الأسقف، وقال: الآن عزّ الإسلام، إن أطفالا صغارًا شُتم نبيهم، فغضبوا له وانتصروا[1]

"اہالیانِ بحرین کے بچے باہر نکل کر صوالجہ (ہاکی جیسا) کھیل رہے تھے اور بحرین کا بڑا پادری وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک گیند اس کے سینے پر جا لگا تو اس نے اسے پکڑ لیا، بچے اس سے گیند مانگنے لگے، اُس نے دینے سے انکار کر دیا اور نبی کریم ﷺ کو بھی گالی دی۔ سارے بچے مل کر اپنی کھیل کی لاٹھیوں کے ساتھ اس پر پل پڑے اور اس کو اس وقت زدوکوب کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مر گیا۔ یہ قضیہ عمر بن خطاب کی طرف بھیجا گیا تو بخدا آپ فتح یا مال غنیمت سے اس قدر خوش نہیں ہوئے جتنے بچوں کے اس بشپ کو قتل کرنے پر مسرور ہوئے۔ اور آپ نے کہا کہ آج اللہ نے اسلام کو عزت دے دی ہے کہ بچوں نے اپنے نبی کی گستاخی پر غیض وغضب کا مظاہرہ کیا اور اُنہوں نے انتقام لے لیا۔"

⑦ عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح، عکرمہ بن ابی جہل، مقیس بن صبابہ اور عبد اللہ بن خطل کا مشہور واقعہ جس میں نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے روز اُنہیں کعبۃ اللہ سے لٹکے پائے جانے کے باوجود قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا تھا، جس کے نتیجے میں صحابی سعید بن حریث نے عبد اللہ بن خطل کو بیت اللہ کے پردے سے لٹکنے کی حالت میں قتل کر دیا اور مقیس کو صحابہ نے بازار میں قتل کیا، بعد میں عبد اللہ بن ابو سرح کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ذریعے آپ سے معافی اور امان طلب کرنے کی کوشش کا تفصیلی واقعہ۔ اس مرحلہ پر نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو یوں تنبیہ کی تھی:

فَنَظَرَ إِلَيْهِ ثَلَاثًا كُلَّ ذَلِكَ يَأْبَى فَبَايَعَهُ بَعْدَ ثَلَاثٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى

[1] 'ربیع الابرار' از زمخشری: ۱/۴۰۳... المستطرف فی کل فن مستظرف: ج۱/ص۴۶۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ يَقُومُ إِلَى هَذَا حَيْثُ رَآنِي كَفَفْتُ يَدِي عَنْ بَيْعَتِهِ فَيَقْتُلُهُ فَقَالُوا وَمَا يُدْرِينَا يَا رَسُولَ اللهِ مَا فِي نَفْسِكَ هَلَّا أَوْمَأْتَ إِلَيْنَا بِعَيْنِكَ قَالَ إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ خَائِنَةُ أَعْيُنٍ[1]

"نبی کریم ﷺ نے تین بار اس کی جانب دیکھا، ہر بار آپ بیعت کا انکار کرتے رہے۔ آخر کار تیسری بار کے بعد آپ نے بیعت لے لی۔ پھر آپ ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم میں کوئی دانا آدمی نہیں تھا؟ جو عبد اللہ کو قتل کر دیتا، جب وہ مجھے دیکھ رہا تھا کہ میں نے اس کی بیعت کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک رکھا ہے۔ صحابہ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! ہمیں پتہ نہ چل سکا کہ آپ کے جی میں کیا ہے؟ آپ ہمیں اپنی آنکھ سے ہی اشارہ فرما دیتے۔ تو آپ ﷺ نے کہا: کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ وہ کن انکھیوں سے اشارے کرے۔"

اس حدیث سے استدلال یوں ہے کہ اوّل تو فتح مکہ کے روز جب نبی کریم ﷺ نے اپنے تمام دیرینہ دشمنوں کو عام معافی دے دی لیکن اس کے باوجود اس امن کے دن اور امن کے مرکز بیت اللہ الحرام میں بھی گستاخانِ رسول کو معافی نہیں دی گئی۔ مزید برآں مذکورہ بالا حدیث میں آپ ﷺ نے شاتم رسول کو ازخود قتل نہ کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ناراضگی کا اظہار کیا اور اُنہیں تنبیہ فرمائی۔ معلوم ہوا کہ اُنہیں قانون کو ہاتھ میں لے کر قتل کر دینا چاہئے تھا۔

الغرض ایک واقعہ میں زبانِ رسالتؐ سے، ایک واقعہ میں جبریلؑ امین کی زبانی اور ایک واقعہ میں سیدنا عمرؓ فاروق نے شاتم رسول کو کیفر کردار پر پہنچانے کی تعریف کی ہے۔ اور اس آخری واقعہ میں ایسا نہ کرنے والوں پر نبی کریم ﷺ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا ہے۔ دورِ نبوی یا دور خلافت راشدہ میں کسی بھی واقعہ میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی بنا پر مجرم کو سزا نہیں دی گئی بلکہ جرم کا فیصلہ عدل وانصاف کے حقائق کی روشنی میں کیا گیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا تمام واقعات میں اہانتِ رسول ثابت ہو جانے پر مقتولین کے خون کو رائیگاں قرار دیا گیا۔

⑧ شریعتِ اسلامیہ کی ایک اُصولی ہدایت بھی ہے کہ برائی کا اِنسداد ہاتھ سے روک کر کیا

---

[1] سنن نسائی رقم:۳۹۹۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے گا۔ جیسا کہ اس فرمانِ نبوی میں ہے:

يَقُولُ ﷺ «مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»[1]

"تم میں جو کوئی برا کام ہوتا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روبہ عمل نہ ہونے دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اس برے کام کو روکے۔ اگر اس کی قوت بھی نہ ہو تو کم از کم دل سے برا جانے۔ اور یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔"

اس حدیث سے یوں استدلال کیا جاتا ہے کہ مغربی قانون کی رو سے جرم کے انسداد کی ذمہ داری صرف پولیس پر عائد ہوتی ہے، جبکہ شریعتِ اسلامیہ میں برائی کا خاتمہ ہر مسلمان کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ فرمان نبویؐ ہے کہ "ہر شخص اسلام میں ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کی بابت محشر میں پوچھا جائے گا۔"[2] اس بنا پر توہین رسالت جو ایک سنگین جرم ہے، کے ارتکاب کے موقعہ پر اختیار و قوت رکھنے والے مسلمان کو چاہئے کہ اس جرم کے مرتکب کو بزورِ بازو روک کر آئندہ سے ایسے جرم کی بیخ کنی کر دے۔

کسی مسلمان کے لئے سب سے بڑی شہادت نبی کریم ﷺ کے فرمان اور فیصلے کی ہے اور اسے تسلیم نہ کرنے کی کسی مسلمان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح دنیا جہاں سے بڑھ کر رسول ﷺ سے محبت کرنے کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا ہے، اسی طرح اطاعتِ رسول سے بھی ایمان کو مشروط ٹھہرایا ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[3]

"میرے رسول! تیرے ربّ کی قسم، یہ لوگ کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپ سے اپنے جھگڑوں میں فیصلہ نہ کروائیں، پھر اس کے بعد ان کے دلوں میں آپ کے فیصلے سے متعلق معمولی سی خلش بھی باقی نہ رہے اور اس کو دل و جان سے بسر و چشم تسلیم کریں۔"

۱ صحیح مسلم: رقم ۷۰

۲ صحیح بخاری: رقم ۸۴۴

۳ سورۃ النساء: ۶۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس فرمانِ الٰہی میں آپ ﷺ کے فیصلوں کو بنیادی حیثیت قرار دینے کو شرطِ ایمان قرار دیا گیا ہے بلکہ اس پر تین بار تاکیدی الفاظ ایزاد کئے گئے ہیں، جس کا مقصود مسلمانوں کو پوری طرح متوجہ کرنا اور اُنہیں مکمل باخبر کرنا ہے۔

اُمتِ مسلمہ میں اہل سنت کا موقف تو مذکورہ بالا احادیثِ نبویہ کی بنا پر واضح ہی ہے، جبکہ اہل تشیع کے امام آیت اللہ خمینی نے ماضی قریب میں سلمان رشدی کے بارے میں مشہور فتویٰ دیا تھا کہ جو بھی مسلمان اُس کو قتل کر سکتا ہے تو اس کو ایسا کرنا چاہئے۔ اس فتویٰ میں بھی اُنہوں نے قانون کو ہاتھ میں لینے کی پروانہ کرتے ہوئے شاتم رسول کو سزا دینے کی تلقین کی۔ ان تصریحات کے بعد اُمتِ اسلامیہ کا متفقہ موقف بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

قانون کو ہاتھ میں لینے پر بانیانِ پاکستان کا طرزِ عمل

یوں تو احادیثِ نبویہ کی واضح دلالت کے بعد کسی مسلمان کے لئے اس امر کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ دیگر مسلمان رہنما اس بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں، تاہم پاکستانی معاشرے میں جس طرح اقبال و قائد کا نام لے کر اسلام سے انحراف کی راہیں تلاش کی جاتی اور اُنہیں روشن خیال اسلام کا علم بردار بتا کر، اس کے پردے میں من مانی کی جاتی ہے، اس بنا پر اس حساس مسئلے میں ان کی شہادت اور رائے کی بھی اہمیت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال اور محمد علی جناح دونوں جدید قانون کے مغرب سے تعلیم یافتہ اور بیرسٹری کے سند یافتہ تھے، گویا قانون کے تقاضوں کو بخوبی جانتے اور سمجھتے بوجھتے تھے۔

ان کے موقف کو جاننے کے لئے ماضی قریب سے غازی علم الدین شہید اور غازی عبد القیوم کے واقعات پر قانون کو ہاتھ میں لینے سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں واقعات پاکستان کے دو مرکزی شہروں لاہور اور کراچی میں چند سالوں کے وقفے سے پیش آئے اور قیام پاکستان سے قبل ان شہروں کے باسیوں نے بھی اپنے موقف کو واضح کر دیا۔ خصوصاً ہر دو کیسوں میں علامہ اقبال نے قانون کو ہاتھ میں لینے والوں کی تائید کی تھی اور اوّل الذکر میں تو باقاعدہ محمد علی جناح کو بھی غازی علم دین کی وکالت کے لئے دعوت دی تھی اور جناح نے غازی شہید کی وکالت بھی کی۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں واقعات میں یہ قائدین اس حساس مسئلہ پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی گنجائش کا تصور رکھتے تھے۔ یاد رہے کہ دونوں رہنما قانون کے پیشہ سے تعلق رکھتے تھے اور اخلاق کے اس درجہ پر تھے کہ اسی معاملہ کی وکالت کرتے،

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کی صداقت کے دل سے قائل ہوتے۔

ماضی میں لاہور میں غازی علم دین شہید کا مقدمہ ہو یا کراچی میں غازی عبدالقیوم کا ایمان افروز اقدام۔ ان دونوں واقعات کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والا، آج کے وقوعہ قتل اور اُن میں مماثلت کے بہت سے پہلو تلاش کر سکتا ہے۔ ۸۰ برس قبل لاہور میں غازی علم دین نے جب شانِ رسالت میں گستاخی ہوتے دیکھی اور یہ جان لیا کہ اس دور کا قانون اس ظلم کا راستہ روکنے کی بجائے اس کو تحفظ ہی دے گا، تو اس نے قانون کو ہاتھ میں لے کر راج پال کو خود موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جانے سے قبل اپنے باپ سے ہونے والے مکالمہ کے نتیجے میں اس پر بخوبی یہ واضح ہو چکا تھا کہ موجودہ قانون کے تحت اس کو اس قتل کی سزا میں کسی رعایت کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ لیکن غازی علم الدین کے اس اقدام قتل اور قانون کو ہاتھ میں لینے کو اسلامیانِ برصغیر نے جو پذیرائی بخشی، وہ بے مثال ہے۔ مذہبی طبقے سے بڑھ کر اس دور کے مغربی تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی اس پر بے پناہ داد و تحسین دی، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ غازی علم دین کے قانون ہاتھ میں لینے پر اُسے جوابی سزا سے بچانے کے لئے اسلامیانِ برصغیر کے قائد علامہ اقبال پوری طرح متحرک ہوئے اور اُنہوں نے قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ اپنے گہرے تعلقات کو بروے کار لاتے ہوئے اُنہیں اس مقدمہ کی پیروی کرنے کی درخواست کی۔ اپنے وقت کے سب سے نامور مسلمان وکیل محمد علی جناح نے لاہور میں جس واحد مقدمے میں اپنی وکالت کے جوہر دکھائے، اور بطورِ خاص بمبئی سے یہاں تشریف لائے، وہ یہی غازی علم دین کا مقدمہ ہے۔ اس مقدمہ میں اُنہوں نے لاہور ہائیکورٹ کے دو انگریز جج صاحبان کے سامنے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ قتل مذہبی جذبات کی توہین کے نتیجے میں واقع ہوا، اور اس قانون کو ہاتھ میں لینے کی اساس فوری اشتعال ہے جس کو دنیا بھر کے مجموعہ ہائے تعزیرات کے ساتھ ساتھ اس وقت کا رائج العمل انڈین پینل کوڈ بھی تحفظ دیتا ہے۔ آج ممتاز قادری کے اقدامِ قتل کے تناظر میں وقت کا مؤرخ یہ دیکھ رہا ہے کہ پاکستان کے وکلا قائد اعظم کے کردارِ وکالت کو اختیار کرتے ہیں، اُن کے موقف کے حامی ہیں یا انگریز حکومت کے اٹارنی کے دلائل کی سمت اپنا پلڑا اجھکاتے ہیں۔

غازی علم دین کو ممتاز قادری کی طرح قانون کو ہاتھ میں لینے کی سزا تو ہو گئی، لیکن اس سے اسلامیانِ برصغیر کا جوش و خروش شعلہ جوالا کا روپ دھار گیا۔ اور اس وقت کی تمام مسلم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیادت جس میں محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں وغیرہ کے نام نمایاں ہیں، نے حکومتِ وقت سے مطالبہ کیا کہ غازی کی میت ہمارے حوالے کی جائے۔ جیل کے احاطے میں غازی کی تدفین کے چند ہی دنوں کے اندر اندر لاہور میں فضا اس قدر پرجوش ہو چکی تھی کہ صرف ۱۳ دنوں کے بعد غازی کے جسدِ خاکی کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا، علامہ اقبال کو علم دین کا جنازہ پڑھانے کی دعوت دی گئی، اُنہوں نے دمہ کے مرض کے باوجود غازی کی قبر میں اتار کر اس کی چٹائی پر چند لمحے لیٹنے کو سعادت جانا۔ مولانا ظفر علی خاں نے قبر میں اُتر کر ان کے آخری دیدار کی سعادت حاصل کی اور اس موقع پر اقبال نے یہ تاریخ ساز جملہ کہا کہ "ترکھانوں کا بیٹا، پڑھے لکھوں پر بازی لے گیا۔" جس کا ایک مطلب یہ تھا کہ اگر اُنہیں موقع ملتا تو وہ خود بھی یہی اقدام کر گزرتے۔ یہ واقعہ محض ایک مقدمہ قتل اور قانون کو ہاتھ میں لینے کی سزا کا نہیں بلکہ اس کے ذریعے تحریک پاکستان کے اس رخ کا ۱۸ برس قبل ہی تعین ہو گیا جس کیلئے پاکستان کی دھرتی حاصل کی گئی۔ متفقہ مسلم قیادت کا جوش ولولہ، ظلم وستم کے اس نظام کے خلاف تھا جو اُن کے نبی کی ناموس کی حفاظت کرنے کا حق بھی مسلمانوں کو نہیں دیتی۔ آج افسوس کہ کلمہ طیبہ اور ناموسِ رسالت کے نام پر حاصل کردہ پاکستان میں علامہ اقبال اور قائد کے خود ساختہ افکار کا حوالہ دے کر لادینیت کی راہ ہموار کی جاتی ہے جبکہ ان حضرات کا توہین رسالت کے ضمن میں قانون کو ہاتھ میں لینے پر موقف بڑا ہی واضح تھا۔

یہ اکیلا واقعہ نہیں، اہالیانِ کراچی بھی ناموس رسالت کے اس تحفظ میں پیچھے نہیں رہے۔ غازی علم دین کی شہادت کے صرف تین سال بعد کراچی میں نتھورام نے 'ہسٹری آف اسلام' میں شانِ نبوت میں دریدہ دہنی کی۔ قانونِ وقت مسلمانوں کے جذبات کو تحفظ دینے کی صلاحیت سے محروم تھا، ہزارہ کے نوجوان عبدالقیوم نے ناموس رسالت کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ دی اور عین کمرۂ عدالت میں نتھورام کو جج کے سامنے ذبح کر دیا۔ ایک بار پھر عدالت میں قانون کو ہاتھ میں لے لیا گیا۔ انگریز جج دہشت زدہ ہو کر بولا: تم نے آخر کار اسے قتل کر دیا۔ غازی عبدالقیوم نے ایمان افروز جواب دیا کہ تمہارے سامنے موجود وائسرائے کی تصویر کی میں توہین کروں تو تم کیا ردعمل پیش کرو گے، وہ تو پھر کائنات کی اشرف ومقدس ترین ہستی ﷺ کا معاملہ ہے جن پر ہمارے ایمان واعتقاد کا پورا سلسلہ اُستوار ہے۔ غازی عبدالقیوم کی حمایت میں ایک عظیم الشان جلوس نکلا جس نے حکمرانوں کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کر دیا۔ آج چشم فلک نے دیکھا کہ ایک بار پھر ممتاز قادری کے سزا پر کراچی اور پورا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملک سراپا احتجاج بنا ہوا ہے۔ اہل کراچی کا یہ پہلا ایمانی مظاہرہ نہیں۔ غازی کی حمایت میں نکلنے والے جلوس پر برطانوی پولیس نے فائرنگ کی، کئی زخمی اور شہید ہوئے لیکن اہل کراچی ناموسِ رسالت کے محافظ کی حمایت سے باز نہ آئے۔ کراچی کے لوگ لاہور علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ "آپ وائسرائے سے مطالبہ کریں، قانون سازی ہونی چاہئے، مسلمان اپنے آپ کو سنبھال نہیں پا رہے، ہمارے جذبات کو پامال کیا جارہا ہے۔ ہمارے نبی کی ناموس پر حملے ہو رہے ہیں اور ہم قانون کو ہاتھ میں لینے پر مجبور ہیں۔" علامہ نے ایمان افروز جواب دیا: "کیا غازی عبد القیوم ڈگمگا گیا ہے، اُس کے قدم لڑکھڑا گئے ہیں؟ اس کو بتاؤ کہ میں جنت کو اس سے چند لمحوں کی مسافت پر دیکھ رہا ہوں۔" کراچی کے لوگ آخر انسان تھے، اقبال کو کہنے لگے کہ مسلمانوں کے جذبوں کو دوبارہ نہ آزمایئے، علم دین کی روایت دوبارہ دہرائی جائے گی، وائسرائے کو درخواست کریں کہ ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے عملی اقدام کرتے ہوئے قانون سازی کی جائے۔ اقبال نے جلال میں جو جواب دیا وہ آج بھی ضربِ کلیم میں 'لاہور و کراچی' کے عنوان سے ایک رباعی کی صورت موجود ہے:

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے، فقط عالم معنی کا سفر
ان شہیدوں کی دیت اہل کلیسا سے نہ مانگ!
قدر و قیمت میں ہے خون جن کا حرم سے بڑھ کر

ہماری عدلیہ کو ممتاز قادری کے مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے، مسلمانان برصغیر کے جذبہ ایمانی، غیرتِ ملی اور بانیانِ پاکستان کی اس تاریخ ساز رہنمائی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

علامہ اقبال کے جذبہ ایمانی اور حمیت و غیرت نے کفار سے قانون کو ہاتھ میں لینے کے اس جرم میں رعایت کے مطالبہ کو درخور اعتنانہ جانا اور کراچی کا غازی عبد القیوم بھی پھانسی کے تختے پر جھول گیا۔ شمع رسالت کے پروانوں نے ناموس کے تحفظ کی خاطر اپنی جانوں کی قربانی دے دی، لیکن شاتمانِ رسول سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا۔

چند قابل توجہ اُمور

ممتاز قادری کے اقدامِ قتل اور گورنر سلمان تاثیر کو ہلاک کر دینے کے موضوع پر براہ راست استدلال اور بحث و تجزیہ سے قبل اوپر مذکورہ احادیثِ نبویہ کے واقعات اور بانیانِ پاکستان کے رجحانات کے سلسلے میں چند باتیں ضرور ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئیں:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① مذکورہ بالا تمام واقعات ایسے ہیں جن میں اہانتِ رسول واضح طور پر ثابت شدہ تھی اور توہین رسالت کے جرم کے صدور میں کوئی دوسری رائے نہ تھی۔ حتیٰ کہ بعض مقامات پر اگر کسی صحابیؓ نے کسی شاتم رسول کو خود قتل کیا یعنی ثبوتِ جرم کے بظاہر قانونی تقاضے پورے نہ تھے تو اس بارے میں علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ یا تو اس گستاخی کی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وحی سے تصدیق کر دی تھی، جیسا کہ عمیرؓ بن عدی اور عمرؓ فاروق کے واقعے میں اس کی صراحت بھی موجود ہے، یا دیگر گواہیوں سے جرم اہانت کا وقوع یقینی ہو چکا تھا مثلاً کسی بدبخت کی گستاخیاں، اشعار اور رویے زبان زدِ عام تھے۔ جہاں تک غازی علم دین، غازی عبد القیوم شہید اور سلمان رشدی کا معاملہ ہے تو ایسی کتب منصۂ شہود پر موجود تھیں جن میں شتم رسالت کا ارتکاب کیا گیا تھا۔ مذکورہ بالا تمام واقعات میں کسی مقام پر اہانتِ رسول کے ضمن میں کسی دوسرے امکان کا تذکرہ بھی کتبِ حدیث و تاریخ میں نہیں ملتا۔ اس بنا پر یہ امر واضح رہنا چاہئے کہ اگر صریح اور مسلمہ توہین رسالت موجود ہو اور اس کے ثبوت میں کوئی کلام نہ ہو تو تب ہی ان واقعات سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ آج بعض لوگ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں بعض نظری اختلافات کو ناموسِ رسالت کا مسئلہ بنا کر اگر اِن سے استدلال کرنا شروع کر دیں تو یہ رویہ قانون و شرع کی نظر میں کسی رعایت کا مستحق نہیں ہو گا جیسا کہ عوام میں یہ ریت پختہ ہوتی جا رہی ہے اور اس کی روک تھام کی اشد ضرورت ہے۔

② احادیث میں موجود واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ توہین رسالت کا مقدمہ ہو یا کوئی اور تنازعہ، یہ اُمور اسلامی عدالت سے بالاتر نہیں کہ جو شخص بھی چاہے تو توہین رسالت کا دعویٰ کر کے قانون سے بالاتر ہو کر رعایت کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ بلکہ ان احادیث سے سنتِ نبویہ دراصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے واقعات ہونے پر شرعی عدالت میں ان کی باز پرس کی جائے، امر واقعہ کا پوری طرح جائزہ لیا جائے اور شریعت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ اگر امر واقعہ میں اہانتِ رسول کا ارتکاب ہوا ہے تو ایسے مجرم کو سزا سے معافی دی جائے اور اگر درحقیقت ایسا نہیں ہوا تو پھر ملزم پر شرع و قانون کے تقاضے پورے کئے جائیں تاکہ لوگوں کے جان و مال محفوظ رہیں۔ بالفرض کسی نے توہین رسالت کی آڑ میں اپنا غصہ و انتقام پورا کیا ہے تو اس کو جواباً قصاص میں قتل کیا جائے۔

③ احادیثِ نبویہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شتم رسول کے مرتکب کو سزا دینا ہر مسلمان پر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واجب نہیں بلکہ یہ مسلم حکومت کا ہی فرض ہے۔ کیونکہ اگر یہ ہر مسلمان پر واجب ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو اس میں پہل کرنی چاہئے تھی اور سزا نہ دینے والے صحابہ کو گناہ گار ٹھہرنا چاہئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی مسلمان شاتم رسول کو بہ تقاضائے ایمانی قتل کردے تو اُس کی قانونی بازپرس کی جائے گی اور بعض مخصوص صورتوں میں اس کا یہ اقدام قابل تعریف بھی ہو سکتا ہے جب کہ مجرم کی گستاخی حد سے بڑھ چکی ہو اور مسلمان اس کی گرفت کرنے پر قادر نہ ہوں مثال کے طور پر سلمان رشدی کا قاتل آج اُمتِ اسلامیہ کا محسن قرار پائے گا۔ اُصول یہی ہے کہ ہر جرم کا معاملہ عدالت میں پیش کیا جائے اور شرعی عدالت سے ہی فیصلہ لیا جائے اور توہین رسالت کا مسئلہ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں تاہم اگر کوئی بہ تقاضائے ایمانی خود اقدام کر بیٹھے تو سنتِ نبویہ یہ ہے کہ اس کے اقدام کا عدالت میں جائزہ لے کر عدل وانصاف کے تقاضے پورے کئے جائیں، جیسا کہ سابقہ تمام حدیثی اور تاریخی واقعات وقوعہ قتل کے بعد کے ہیں اور ان سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے اور کسی مقام پر نبی کریم ﷺ نے اُصولاً شاتم رسول کو از خود سزا دے لینے کی کوئی تلقین نہیں کی۔ نہ ہی محض یہ دعویٰ کردینے سے کوئی شخص قانون سے بالاتر ہو جاتا ہے اور نہ ہی محض قانون کو ہاتھ میں لینے سے قتل کرنے والا لازماً موت کی سزا پائے گا۔ بالخصوص وہ جرائم جو مقتول ومتاثر فرد کے کسی جرم کے تناظر میں واقع ہوتے ہیں، شریعتِ اسلامیہ کا موقف اُن میں یہ ہے کہ اُنہیں پہلے جرم کے تناظر میں دیکھ کر حقیقی عدل کیا جائے۔ غیرت کے نام پر جرائم کی طرح، شتم رسول کے جرم کے نتیجے میں جوابی اقدام کو پہلے جرم کے تناظر میں دیکھ کر ہی حقیقی فیصلہ کیا جانا چاہئے۔ جیسا کہ اس قانونی وشرعی نکتہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

④ غازی علم دین شہید کے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ اُنہوں نے 'رنگیلا رسول' نامی دل آزار کتاب کے جس ہندو ناشر راج پال کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا، وہ خود توہین رسالت کا مرتکب نہیں تھا، بلکہ اصل توہین رسالت کا ارتکاب تو اس کتاب کے مصنف ایک ہندو سرکاری پروفیسر نے کیا تھا۔ گویا غازی علم دین نے جرم توہین رسالت میں معاونت کرنے والے ایک ہندو ناشر کو، جس نے اس جرم کی تائید کرکے اسے معاشرے میں پھیلایا تھا، قتل کردیا تھا تاکہ اہانتِ رسول کے مرتکب کی کسی بدبخت کو تائید کی بھی ہمت نہ ہو اور غازی کے اس اقدام کو اسلامیانِ ہند نے قبولیت وپذیرائی بخش کر ان کی بھرپور تائید کی تھی، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ گویا توہین رسالت کے جرم کا انتشار

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وڈیوع اور شاتم سے ہمدردی اور معاونت اس کے جرم میں ملوث اور شریک ہونے کے مترادف ہے، جس کے بعد تعاون کرنے والا کسی طور کلی معصوم قرار نہیں پاسکتا۔

⑤ لاہور و کراچی کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ شاتمانِ رسول کو کیفر کردار تک پہنچانے میں مسلمانوں نے اس وقت قانون کو ہاتھ میں لیا جب قانون میں یہ قوت نہیں تھی کہ وہ ایسے مجرموں کو سزا دے سکے۔ بلکہ اس وقت تو ایسا قانون ہی موجود نہ تھا جو پیغمبروں کے تقدس کی پامالی کو جرم قرار دے۔ یہی وجہ ہے کہ غازی علم دین جانے سے قبل اپنے والد سے جو مکالمہ کر کے گیا تھا، اس میں اسے یہ یقین تھا کہ نہ تو قانون کا درکھٹکھٹانے سے راج پال کو سزا ملے گی اور نہ ہی اسے قتل کرنے پر علم دین کو کوئی رعایت ملے گی۔ یہی صورتحال غازی عبد القیوم کی بھی تھی۔ اسی بنا پر علامہ اقبال نے اپنے اشعار میں ان شہیدانِ اسلام کی دیت کا مطالبہ کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ سلمان رشدی کے بارے میں عام فتوائے قتل کے پس پردہ بھی یہی بات موجود ہے کہ اُمت اسلامیہ کے سامنے ایسا امکان نہیں تھا کہ جس کی بنا پر کسی عالمی عدالت میں وہ اس بدبخت کو اس کی سزا دلوانے میں کامیاب ہو سکیں کیونکہ موجودہ مادہ پرست عالمی ضمیر، اپنے حکمرانوں کے تقدس کو تو قانونی تحفظ دیتا ہے، لیکن دین ومذہب کے قائدین اور پیغمبران کو یہ تقدس دینے کو تیار نہیں ہے۔ اور ڈھٹائی سے اسے آزادیٔ اظہار قرار دے کر اس کی تائید کرتا ہے۔ جہاں تک احادیثِ رسول کی بات ہے تو ان میں بعض واقعات ایسے ہیں جہاں آغازِ اسلام میں مسلمانوں کو یہ خدشہ لاحق ہو سکتا تھا کہ اگر وہ ان مجرموں کی عام سزائے قتل کا اعلان کریں گے تو یہ کفار کے ساتھ مل کر اسلام مخالف سازشوں میں شریک ہوں گے۔ اس لئے فتح مکہ سے قبل نبی کریم ﷺ نے کسی گستاخ رسول کی کھلم کھلا سزا کا اعلان نہیں کیا۔ اس بنا پر یہ ممکن ہے کہ بچوں کی ماں باندی، عمیر بن اُمیہ کی مشرکہ بہن، عمیر بن عدی کے قبیلہ کی کافر فرد عصما اور یہودیہ وغیرہ کے سلسلے میں قانون کو اس لئے ہاتھ میں لیا گیا ہو جبکہ دستیاب حالات وواقعات کی رو سے ان شاتمان کی قانونی گرفت کے مکمل امکانات موجود نہ ہوں۔ تاہم بعض واقعات میں

[1] یہ صورتِ حال فی زمانہ ایسی نام نہاد اسلامی ریاست کے بارے میں بھی پیدا ہو سکتی ہے جو شاتمان کی ازخود گرفت کا شرعی فرض پورا نہ کرتی ہو اور ان میں عملاً شرعی سزائیں معطل ہوں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے باوجود اس غیرتِ ایمانی اور حبِ رسول کے شدید تقاضے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو کسی باحمیت مسلمان کا امتیاز ہونی چاہئے، جیسا کہ سیدنا عمر فاروق کا اپنا اور ان کے دورِ خلافت میں ہونے والا بچوں کا واقعہ اِس کی شہادت دیتا ہے۔

مذکورہ بالا توضیحی نکات کے بعد یہ امر بہر حال واضح ہے کہ اگر کوئی بدبخت توہین رسالت کا ارتکاب کرے اور کوئی مسلمان ایمان کے تقاضے سے مجبور ہو کر اس کو قتل کر دے تو قتل کرنے والے کے خلاف محض قانون کو ہاتھ میں لینے کو دلیل بنا کر یا مروّجہ قانون کی بنا پر اس کو دوہری سزائے موت دینا شریعتِ اسلامیہ کی رو سے درست نہیں ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے اس بنا پر کسی کو سزا نہیں دی، بلکہ صورتِ واقعہ اور حقائق کے پیش نظر اصل مجرم کی سزا پر ہی توجہ مرکوز رکھی۔

جہاں تک ہمارے پیش نظر واقعہ یعنی ممتاز قادری کا گورنر سلمان تاثیر کو قتل کرنے کا تعلق ہے تو انہی معروضات اور رہنما ہدایات کے پیش نظر ہم اگلے شمارے میں براہ راست اصل مسئلہ پر شرعی تجزیہ پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

قارئین محدث توجہ فرمائیں !!

آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ 'محدث' چند ماہ سے تعطل کا شکار ہے۔ شماروں کی اشاعت میں تسلسل بحال نہیں ہو پا رہا۔ اس کی وجوہات میں مالی بحران اور سنگین انتظامی پیچیدگیاں شامل ہیں۔ ہماری بساط بھر کوشش ہے کہ اپنے اعلیٰ معیار کی طرح محدث کی اشاعت کو بھی منظم و مسلسل کیا جائے۔ ایک معیاری مجلّہ کی تیاری جس طرح معیاری اخراجات کی متقاضی ہے، اسی طرح اس کے لئے ایک معیاری اور یکسو ٹیم بھی ہونی چاہئے، تبھی بروقت اور بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ محدث کو ان دونوں مسائل کا سامنا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ علم و تحقیق اور ابلاغ و دعوت کا یہ سلسلہ یونہی تادیر جاری و ساری رہے۔ آمین!

نومبر ۲۰۱۱ء کے شمارہ نمبر ۳۵۲ تک، سالِ رواں میں قارئین کو ۱۱ کی بجائے ۱۰ شمارے ارسال کئے گئے، جبکہ حالیہ شمارہ نمبر ۳۵۱، ستمبر و اکتوبر ۲۰۱۱ء کا مشترکہ ہے جو اس سال کا پہلا اور اکلوتا مشترکہ شمارہ ہے۔ اس ضمن میں اہل علم اور اہل خیر حضرات سے خصوصی توجہ اور تعاون کی درخواست ہے۔ رابطہ کے لئے: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، مدیر محدث

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاروق رفیع[1]

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل و مسائل

ذوالحجہ کا مہینہ اِسلامی تاریخ میں ممتاز اہمیت کا حامل ہے اور بعض خصائص کی وجہ سے اس کی اہمیت دیگر مہینوں سے زیادہ ہے، ملاحظہ فرمایئے:

۱. حرمت کا مہینہ

ذوالحجہ حرمت والا مہینہ ہے۔ اس اعتبار سے اس کا احترام کرنا، باہمی جنگ و جدل سے گریز کرنا، حتیٰ کہ اگر دشمن حملہ آور نہ ہو تو ان سے بھی جنگ میں پہل کرنا حرمت والے مہینوں میں جائز نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ﴾[2]

"بے شک اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہے، جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے سو ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔"

یہ آیت دلیل ہے کہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان مہینوں کی وضاحت اس حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ سیدنا ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السمٰوات والأرض، السنة اثنا عشر شهرًا منها أربعة حرم: ثلاث متواليات ذو القعدة و ذوالحجة، والمحرم، و رجبُ مضر الذى بين جمادٰى و شعبان»[3]

"زمانہ گھوم کر (مہینوں کی ترتیب کی) اس ہیئت میں آگیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار مہینے حرمت

۱ ریسرچ سکالر مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور

۲ التوبۃ: ۹/۳۶ ۳ صحیح بخاری: ۴۶۶۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والے ہیں۔ تین مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم لگاتار ہیں اور چوتھا مہینہ رجب جو جمادی (الآخرۃ) اور شعبان کے درمیان ہے۔"

۲. حج کا مہینہ

ماہ ذوالحجہ کو اس اعتبار سے بھی فوقیت حاصل ہے کہ یہ حج کا مہینہ ہے اور مسلمانوں کا مقدس فریضہ حج اس ماہ ادا کیا جاتا ہے اور دنیا بھر کے مسلمان حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ کا رخ کرتے ہیں۔

۳. ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن

ذوالحجہ کے ابتدائی دس ایام خاص اہمیت کے حامل ہیں اور ان دنوں میں فرائض ونوافل اور نیک اعمال کا اجر وثواب باقی ایام میں کی جانے والی عبادات سے افضل وبرتر ہے۔ دلائل حسبِ ذیل ہیں:

① فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝﴾[1]

"فجر کی قسم اور دس راتوں کی قسم"

اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں جن کی مزید فضیلت اس حدیث میں ہے۔ سیدنا ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«ما العمل في أيام العشر أفضل منها في هذه» قالوا: ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال: «ولا الجهاد إلا رجل خرج يخاطر بنفسه وماله فلم يرجع بشيء»[2]

" ذوالحجہ کے دس دنوں سے افضل کوئی عمل نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد بھی نہیں مگر وہ شخص جو اس حال میں نکلا کہ اس نے اپنی جان اور مال کو خطرہ میں ڈالا پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا۔"

① معلوم ہوا کہ عشرہ ذوالحجہ میں کئے گئے اعمال کا ثواب دیگر دنوں کے اعمال سے زیادہ ہے۔ لہٰذا ان ایام میں عبادات، نوافل، نفلی روزوں، اذکار کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

---

۱ الفجر: ۱۹/۲۰۱

۲ صحیح بخاری: ۹۶۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ البتہ ایسا مجاہد جو مال و جان لے کر غلبہ اسلام کے لیے دشمنانِ دین کے خلاف بر سرپیکار ہے اور راہِ جہاد میں تن من دھن قربان کر دے، اس کا یہ عمل عشرہ ذوالحجہ میں کئے گئے عمل کے برابر یا اس سے افضل ہے۔

عشرہ ذوالحجہ کے فضائل کے متعلق ضعیف روایات

عشرہ ذوالحجہ کے متعلق کتاب و سنت سے صحیح دلائل پیچھے بیان ہو چکے ہیں۔ البتہ ان اَیام کے فضائل میں کچھ ضعیف و موضوع روایات بھی ہیں جنہیں بیان کرنے اور ضبطِ تحریر میں لانے سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ ضعیف موضوع روایت سے نہ تو کوئی فضیلت و منقبت ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی شرعی مسئلہ کشید ہوتا ہے، بلکہ نبی ﷺ کی طرف جھوٹی روایت منسوب کرنے کی وجہ سے واعظ و مبلغ گناہ گار اور شدید وعید کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ ذیل میں عشرہ ذوالحجہ کے فضائل کے متعلق کچھ ضعیف و موضوع روایت پیش خدمت ہیں:

① سیدنا ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من صام العشر فله بكل يوم صوم شهر، وله بكل يوم التروية سنة وله بصوم يوم عرفة سنتان»[1]

''جس نے عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھے، اس کے لیے ہر دن کے عوض ایک مہینے کے روزوں، یوم ترویہ (آٹھ ذی الحجہ) کے بدلے ایک سال کے روزوں اور یوم عرفہ کے بدلے دو سال کے روزوں کا ثواب ہے۔''

یہ حدیث موضوع ہے جیسا کہ ابن جوزی نے اسے 'الموضوعات' میں بیان کیا ہے۔[2]

② ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«ما من أيام أحب إلىٰ الله أن يتعبد له فيها من عشر ذى الحجة يعدل

---

1 کتاب الموضوعات لابن الجوزی: ۲/۱۱۳

2 حافظ ابن جوزی بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ سلیمان تیمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن سائب کلبی کذاب راوی ہے۔ (کتاب الموضوعات: ۲/۵۶۶) امام بخاری کہتے ہیں: ''کلبی کو یحییٰ بن معین اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے متروک قرار دیا ہے۔'' اس کے بعد امام بخاری علی عن یحییٰ عن سفیان کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ سفیان نے بیان کیا کہ مجھے کلبی نے کہا: كل ما حدثتك عن أبي صالح فهو كذب....
''میں تجھے ابوصالح سے جو بھی حدیث بیان کروں وہ جھوٹ ہے۔'' (میزان الاعتدال: ۳/۵۷۷)
اور سند مذکور میں کلبی ابوصالح سے روایت کر رہے ہیں جو ان کی اپنی زبانی کذب و افترا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صيام كل يوم منها بصيام سنة وقيام كل ليلة منها بقيام ليلة القدر»[1]

"عشرہ ذوالحجہ سے بڑھ کر کوئی ایسے ایام نہیں جن میں عبادت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہو۔ ان میں ہر دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر اور ان میں سے ہر رات کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔"

یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں مسعود بن واصل اور نہاس بن قہم ضعیف راوی ہیں۔

③ عن عائشة أن شابا كان صاحب سماع وكان إذا أهلّ هلال ذى الحجة أصبح صائمًا، فأرسل رسول الله ﷺ فقال: «ما يحملك علىٰ صيام هذه الأيام؟» قال: بأبي وأمي يا رسول الله! إنها أيام المشاعر و أيام الحج عسى الله أن يشركنى في دعائهم. فقال: «لك بكل يوم تصومه عدل مائة رقبة تعتقها، ومائة بدنة تهديها إلىٰ بيته الله، ومائة فرس تحمل عليها في سبيل الله، فإذا كان يوم التروية فذلك عدل ألف رقبة، وألف بدنة وألف فرس تحمل عليها في سبيل الله، فإذا كان يوم عرفة فذلك عدل ألفي رقبة وألفي بدنة، وألفى فرس تحمل عليها في سبيل الله، وصيام سنتين سنة قبلها وسنتين بعدها»[2]

"سیدہ عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان موسیقی کا رسیا تھا لیکن جب ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوتا تو وہ روزہ رکھنا شروع کر دیتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بلوایا اور پوچھا: ان دنوں کے روزوں پر تجھے کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ مناسکِ حج کے دن ہیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے ان (حجاج) کی دعا میں شامل کر لے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے لیے ہر دن کے بدلے جو تو روزہ رکھتا ہے۔ سو گردن آزاد کرنے، سو اونٹ قربانی جو تو بیت اللہ کی طرف قربانی کے لیے بھیجے اور سو گھوڑے جو تو

1 جامع ترمذی:۷۵۸؛ سنن ابن ماجہ: ۱۷۲۸، شعب الایمان للبیہقی:۳۷۵۷، مسند ابی عوانہ ۳۰۲۱؛ السلسلة الضعیفة: ۵۱۴۲رم

2 الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۲۱۵۳/۲، کتاب الموضوعات لابن الجوزی:۱۱۳۶، میزان الاعتدال: ۲۶۹/۳) یہ حدیث موضوع ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راہِ جہاد میں سواری کے لیے پیش کرنے کے برابر ثواب ہے اور جب ترویہ (آٹھ ذوالحجہ) کا دن ہو (اس دن کے روزے کا ثواب) ایک ہزار گردن، ایک ہزار قربانی کے اونٹ اور ایک ہزار گھوڑے جو توراہِ جہاد میں سواری کے لیے وقف کرے، کے برابر ثواب ہے اور عرفہ (نو ذوالحجہ) کا دن یہ (اس دن کے روزے کا اجر) دو ہزار گردن آزاد کرنے، دو ہزار اونٹ قربان کرنے اور دو ہزار گھوڑے جو جہاد کے لیے وقف ہیں، کے برابر اور دو سال کے گزشتہ روزوں اور دو سال کے آئندہ روزوں کے برابر اجر وثواب ہو گا۔"

امام ذہبی کہتے ہیں: "یہ حدیث موضوع کی قبیل سے ہے اور اس کا راوی محمد بن عمر الحرمی بہت ہی جھوٹا شخص ہے۔"[1] محمد بن عمر الحرمی متروک وکذاب راوی ہے۔

ابو حاتم کہتے ہیں: "یہ بہت ہی کمزور راوی ہے اور ابن معین کہتے ہیں، یہ حدیث میں کچھ حیثیت کا مالک نہیں۔"[2]

عشرہ ذوالحجہ افضل ہے یا رمضان المبارک کا آخری عشرہ؟

ان دونوں عشروں کی افضلیت کے متعلق کتاب وسنت میں متعدد دلائل آتے ہیں۔ اب ان میں سے افضل عشرہ کون سا ہے تو اس بارے صحیح اور درست موقف یہ ہے کہ سال بھر کے دنوں سے عشرہ ذوالحجہ افضل ہے اور سال بھر کی راتوں میں سے رمضان کی آخری دس راتیں افضل ہیں۔ اس بارے میں امام ابن تیمیہ کا فتویٰ بڑا مدد ومعاون ہے:

"سوال: عشرہ ذی الحجہ اور رمضان کے آخری عشرہ میں سے کون سا افضل ہے؟

جواب: ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن، رمضان کے آخری دس دنوں سے افضل ہیں اور رمضان کے آخری عشرہ کی راتیں ذوالحجہ کی دس راتوں سے افضل ہیں۔

حافظ ابن قیم بیان کرتے ہیں: "جب فاضل اور سمجھدار شخص اس جواب پر غور وخوض کرے گا تو وہ اسے شافی وکافی پائے گا کیونکہ ذوالحجہ کے دس دنوں کے علاوہ ایام کے اعمال اللہ تعالیٰ کو دس ذوالحجہ کے اعمال سے زیادہ محبوب نہیں اور ان ایام میں یوم عرفہ، یوم نحر اور یوم ترویہ بھی ہیں (جو خاص فضیلت کے حامل ہیں) اور رمضان کی آخری دس راتیں شب بیداری کی راتیں ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ

---

۱ کتاب الموضوعات: ۲/۵۶۰

۲ میزان الاعتدال: ۳/۶۶۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رات بھر عبادت کیا کرتے تھے اور ان راتوں میں شبِ قدر بھی۔ چنانچہ جو شخص اس تفصیل کے بغیر جواب دے گا، اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ صحیح دلیل پیش کرسکے۔"[1]

عرفہ کے روزہ کی فضیلت

عرفہ کا روزہ انتہائی فضیلت کا حامل ہے کہ اس دن کے روزہ سے دو سالوں، ایک سال گزشتہ اور سالِ آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، لہٰذا اس دن کے روزہ کا اہتمام کرنا انتہائی مستحب عمل ہے۔ سیدنا قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«صيام يوم عرفة احتسب علىٰ الله أن يكفر السنة التي قبله والسنة التي بعده»[2]

"میں اللہ سے اُمید کرتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ دو سال: ایک سال گزشتہ اور ایک آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔"

علماے کرام بیان کرتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے، سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ اگر صغیرہ گناہ نہ ہوں تو کبائر میں تخفیف واقع ہوتی ہے اور اگر روزہ دار صغائر و کبائر سے پاک ہو تو اس مناسبت سے درجات بلند ہوتے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح میں امام الحرمین کا قول بیان کرتے ہیں:

"عرفہ کا روزہ صغیرہ گناہ مٹاتا ہے۔"

قاضی عیاض کہتے ہیں:

"اہل السنۃ والجماعۃ بھی اسی موقف کے قائل ہیں۔ البتہ کبیرہ گناہ توبہ یا رحمتِ الٰہی ہی سے مٹتے ہیں۔ پھر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عرفہ کا روزہ اگلے سال کے گناہوں کا کفارہ کیسے بنتا ہے، حالانکہ اس سال کے گناہ تو آدمی پر ہوتے ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روزہ دار کو آئندہ سال گناہوں سے محفوظ رکھے گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے رحمت اور ثواب سے اس قدر نوازے گا کہ یہ رحمت وثواب گزشتہ و آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔"[3]

---

۱ مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۵/۲۸۷

۲ صحیح مسلم: ۱۱۶۲؛ سنن ابی داؤد: ۲۴۲۰؛ جامع ترمذی: ۷۴۹؛ سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۳

۳ تحفۃ الاحوذی: ۳/۳۷۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذوالحجہ کے نو روزے رکھنا مسنون عمل ہے!

ذوالحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزے رکھنا نبی کریم ﷺ کی سنت اور مستحب عمل ہے، لہٰذا ان دنوں کے روزوں کا اہتمام مشروع ہے۔ بعض اُمہات المؤمنین سے مروی ہے:

أن النبي ﷺ كان يصوم تسع ذي الحجة ويوم عاشوراء، وثلاثة أيام من كل شهر، أوّل اثنين من الشهر و الخميس[1]

"بلاشبہ نبی ﷺ ذوالحجہ کے (پہلے) نو دن کا، دس محرم کا، ہر مہینے تین دن اور مہینے کی پہلی سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔"

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ہنیدہ بن خالد صحابی اور ان کی زوجہ محترمہ صحابیہ ہیں، لہٰذا ان کا غیر معروف ہونا قادح نہیں۔

ایک تعارض اور اس کا حل: مذکورہ بالا حدیث دلیل ہے کہ ذوالحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے روزے رکھنا مسنون و مستحب عمل ہے۔ لیکن اس بیان کردہ حدیث کے معارض سیدہ عائشہؓ کی یہ حدیث ہے:

ما رأيت رسول الله ﷺ صائمًا في العشر قط[2]

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالحجہ کے دس دنوں میں کبھی بھی روزہ کی حالت میں نہیں دیکھا۔"

اس تعارض کا حل امام نووی یوں پیش کرتے ہیں:

"علماء بیان کرتے ہیں کہ حدیثِ عائشہؓ سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کے روزے مکروہ ہیں، یہاں عشرہ ذوالحجہ سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی نو دن ہیں۔ یہ مفہوم کشید کرنے سے ان روزوں کی کراہت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان دنوں کے روزے بہت ہی مستحب ہیں۔ بالخصوص نو ذی الحجہ یعنی عرفہ کا روزہ تو خاص استحباب کا حامل ہے۔ اس کی فضیلت کے متعلق احادیث گزر چکی ہیں اور صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عشرہ ذی الحجہ کے مقابلے میں باقی ایام کی عبادات افضل نہیں۔" (یہ روایت دلیل ہے کہ دیگر عبادات کی طرح ان دنوں

1 سنن ابی داود: ۲۴۳۷
2 صحیح مسلم: ۱۱۷۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے روزے بھی افضل و مستحب ہیں)

حدیثِ عائشہؓ کہ رسول اللہ ﷺ نے عشرہ ذوالحجہ کے روزے نہیں رکھے، سے یہ مفہوم اخذ کیا جائے گا کہ (ہو سکتا ہے) کہ آپ ﷺ نے کسی عارضے مرض یا سفر وغیرہ کی وجہ سے ان دنوں کے روزے نہ رکھے ہوں یا عائشہؓ نے آپ ﷺ کو ان دنوں میں روزے سے نہ دیکھا ہو اوران کی نفی سے حقیقت میں روزوں کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ ان روزوں کے اثبات پر ابوداؤد اور سنن نسائی کی یہ روایت بھی دالّ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ کے نو روزے رکھا کرتے تھے۔"[1]

کیا عرفہ کا روزہ مکہ مکرمہ کی تاریخ کے مطابق رکھا جائے؟

عرفہ کا روزہ سعودی تاریخ کے مطابق رکھا جائے یا ہر علاقے کے لوگ قمری تاریخ کے اعتبار سے نو ذوالحجہ کا روزہ رکھیں۔ موجودہ دور میں یہ ایک مصنوعی اشکال پیدا کر کے یوم عرفہ کی تعیین میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور یوم عرفہ کی آڑ میں اس مقدس روزہ کو ایک پیچیدہ مسئلہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

حالانکہ اس موقف کے قائل علماء رمضان کے روزوں، دیگر نفلی روزوں اور شبِ قدر کی تعیین میں تو قمری تقسیم کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یومِ عرفہ سے دھوکا کھا کر اس کو سعودی تاریخ سے منتھی کرنے کی فضول کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس موقف کو تسلیم کر لیا جائے تو تمام اسلامی دنیا سعودی یومِ عرفہ کے مطابق روزہ رکھ ہی نہیں سکتی، کیونکہ مشرقی ممالک میں سحری سعودی وقت سے دو یا تین گھنٹے قبل شروع ہوتی ہے اور افطاری بھی ان سے پہلے ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے تو مشرقی لوگ سعودی تاریخ کے مطابق روزہ رکھ ہی نہیں سکتے اور بعض مغربی ممالک میں قمری تاریخ سعودی تاریخ سے آگے ہے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں جب یوم عرفہ ہوتا ہے تو وہاں عیدالاضحیٰ منائی جارہی ہوتی ہے تو اس غیر منصفانہ تقسیم سے تو مغربی ممالک کے مسلمان یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت سے محروم رہیں گے کیونکہ عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ اس اعتراض کا مزید تشفی بخش جواب آئندہ فتاویٰ میں ملاحظہ کریں:

---

1 شرح النووی: ۸/۴۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ عبد الستار حماد ﷾ کا فتویٰ

سوال: سیف الرحمن صدیقی سوال کرتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ نویں ذوالحجہ کو رکھنا چاہیے یا جس دن مکہ میں عرفہ کا دن ہوتا ہے؟ خواہ ہمارے ہاں ذوالحجہ کی سات یا آٹھ تاریخ ہو۔

جواب: ''رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ

''یوم عرفہ کا روزہ رکھنے سے گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ رسولِ رحمت ہیں اور آسان دین لے کر آئے ہیں۔ اس رحمت اور آسانی کا تقاضا یہ ہے کہ عرفہ کا روزہ نویں ذوالحجہ کو رکھا جائے۔ سعودیہ میں یوم عرفہ کے ساتھ اس کا مطابق ہونا ضروری نہیں، اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

① میں نے علامہ البانی کی تصانیف میں خود اس روایت کو دیکھا ہے، لیکن اب اس کا حوالہ مستحضر نہیں، اس روایت میں یوم عرفہ کے الیوم التاسع کے الفاظ ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ نویں ذوالحجہ کا روزہ رکھا جائے۔

② تیسیر اور رحمت کا تقاضا اس طرح ہے کہ اس اُمت کو عبادت کی بجا آوری میں اپنے احوال وظروف سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ آج ہم سائنسی دور سے گزر رہے ہیں، لیکن آج سے چند سال قبل معلومات کے یہ ذرائع میسر نہ تھے، جن سے سعودیہ میں یوم عرفہ کا پتا لگایا جاسکتا، اب بھی دیہاتوں اور دور دراز کے باشندوں کو کیسے پتا چلے گا کہ سعودیہ میں یوم عرفہ کب ہے تاکہ وہ اس دن روزے کا اہتمام کریں۔ لہٰذا اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے نویں ذوالحجہ کا تعین کرکے عرفہ کا روزہ رکھ لیا جائے۔

③ روئے زمین پر ایسے خطے موجود ہیں کہ سعودیہ کے لحاظ سے یوم عرفہ کے وقت وہاں رات ہوتی ہے، ان کے لیے روزہ رکھنے کا کیا اُصول ہوگا؟ اگر اُنہیں عرفہ کے وقت روزہ رکھنے کا پابند کیا جائے تو وہ رات کا روزہ رکھیں گے حالانکہ رات کا روزہ شرعاً ممنوع ہے اور اگر وہ اپنے حساب سے روزہ رکھیں گے تو عرفہ کا وقت ختم ہو چکا ہوگا، اس لیے آسانی اسی میں ہے کہ اپنے حالات وظروف کے اعتبار سے روزہ رکھا جائے۔

④ ہمارے ہاں پاکستان میں یوم عرفہ کو سات یا آٹھ ذوالحجہ ہوتی ہے۔ کچھ مغربی ممالک ایسے بھی ہیں کہ وہاں یوم عرفہ کو ذوالحجہ کی دس تاریخ ہوتی ہے۔ اگر سعودیہ کے اعتبار

1 صحیح مسلم: ۱۱۶۲؛ سنن ابی داود: ۲۴۲۰؛ جامع ترمذی: ۷۴۹؛ سنن ابن ماجہ: ۱۷۱۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اُنہیں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنے کا مکلف قرار دیا جائے تو وہ اپنے لحاظ سے دس ذوالحجہ کو روزہ رکھیں گے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس دن روزہ رکھنے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اپنے حساب سے نویں ذوالحجہ کا روزہ رکھیں۔

⑤ ہمارے اور سعودیہ کے طلوع و غروب میں دو گھنٹے کا فرق ہے۔ اگر عرفہ کے روزہ کو سعودیہ میں یومِ عرفہ سے وابستہ کر دیا جائے تو جب ہم روزہ رکھیں گے تو اس وقت سعودیہ میں یومِ عرفہ کا آغاز نہیں ہوا ہوگا۔ اسی طرح جب ہم روزہ افطار کریں گے تو سعودیہ کے لحاظ سے یوم عرفہ ابھی باقی ہوگا، یہ الجھنیں صرف اس صورت میں دور ہو سکتی ہیں کہ ہم اپنے روزے کو سعودیہ سے وابستہ نہ کریں بلکہ اپنے حساب سے نویں ذوالحجہ کا تعین کرلیں۔ ان وجوہات کا تقاضا ہے کہ عرفہ کا روزہ ہم اپنے لحاظ سے نویں ذوالحجہ کو ہی رکھیں، خواہ اس وقت یوم عرفہ ہو یا نہ ہو۔"[1]

حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ کا فتویٰ

سوال: نو ذوالحجہ کے روزے کے فضائل تو حدیث میں ثابت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ یومِ عرفہ نو ذوالحجہ کے روزہ کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایک گزشتہ اور ایک آئندہ سال کے گناہ معاف فرمائیں گے اور یوم عاشورا کے روزہ کے بدلہ میں گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرمائیں گے۔[2]

ایک عالم دین جو بخاری پڑھاتے ہیں، ان کا موقف ہے کہ عرب کا نو ذوالحجہ کا روزہ ہمارے ہاں آٹھ ذوالحجہ کا روزہ بنتا ہے، لہٰذا ہمیں نو کے بجائے آٹھ ذوالحجہ کا روزہ رکھنا چاہیے۔ نیز عرفہ کا روزہ، میدانِ عرفات میں حاجی صاحبان رکھیں یا نہ رکھیں؟

جواب: پاکستان اور سعودی عرب کے مابین قمری تاریخ کا فرق ہے۔ کبھی ایک یوم اور کبھی دو یوم، معلوم ہے بڑی عید اور چھوٹی عید پاکستان کی تاریخ کے مطابق منائی جاتی ہے۔ اسی طرح رمضان المبارک کا آغاز بھی ملکی تاریخ کے موافق ہوتا ہے۔ ان تینوں اُمور میں اپنے ملک کی قمری تاریخ کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس کے جو دلائل ہیں وہ ۹ ذوالحجہ پر بھی صادق آتے ہیں، لہٰذا ۹ ذوالحجہ میں بھی اپنے ملک ہی کی قمری تاریخ معتبر ہوگی۔

---

۱ فتاویٰ اصحاب الحدیث: ۱/۲۲۱، ۲۲۰
۲ مختصر صحیح مسلم: ۶۲۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت کریبؒ جو ابن عباسؓ کے غلام ہیں، سے مروی ہے کہ

''عباسؓ کی زوجہ اُمّ فضلؓ نے اُنہیں (کریبؒ کو) معاویہؓ کے پاس شام بھیجا۔ کریبؒ کہتے ہیں کہ میں نے شام آکر ان کا کام کیا۔ میں ابھی شام ہی میں تھا کہ رمضان کا چاند نظر آگیا۔ میں نے بھی جمعہ کی رات چاند دیکھا، پھر میں رمضان کے آخر میں مدینہ واپس آگیا۔ عبد اللہ بن عباسؓ نے چاند کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا کہ تم نے (وہاں) چاند کب دیکھا تھا؟ میں نے جواب دیا: ہم نے تو جمعہ کی رات کو دیکھا تھا۔ عبد اللہ بن عباسؓ نے پھر پوچھا: کیا تم نے بھی دیکھا تھا؟ میں نے جواب دیا: ہاں، بہت سے آدمیوں نے بھی دیکھا تھا اور سب لوگوں نے معاویہؓ کے ساتھ (دوسرے دن بھی یعنی ہفتہ کا) روزہ رکھا تھا۔ عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا: ہم نے تو چاند ہفتہ کے دن (یعنی ایک دن کے فرق سے) دیکھا ہے۔ ہم اسی حساب سے روزے رکھتے رہیں گے، یہاں تک کہ تیس دن پورے کرلیں۔ کریبؒ نے کہا: کیا آپ معاویہؓ کی رؤیت اور اُن کے روزے کو کافی نہیں سمجھتے۔ فرمایا: نہیں! ہمیں رسول اکرم ﷺ نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔''[1]

اس حدیث سے پتا چلا کہ ہر علاقے کا علاقائی طور پر چاند کا نظر آنا اور دیکھنا معتبر ہوگا۔ اور روزہ، عیدین، یوم عاشوراء، یوم عرفہ اور دوسرے تمام شرعی احکامات میں ہر علاقہ کی اپنی رؤیت ہی معتبر ہوگی۔[2]

سال بھر کا افضل دن

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن اس بنا پر بھی اہم ہیں کہ ان میں دسویں ذوالحجہ کا دن سال بھر کے ایام سے افضل و ارفع ہے۔ عبد اللہ بن قرطؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر ثم يوم القر وهو الذي يليه»[3]

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم ترین دن یوم نحر (دس ذوالحجہ) پھر دس ذوالحجہ سے اگلا دن (گیارہ ذوالحجہ) ہے۔''

---

۱ مختصر صحیح مسلم: ۵۷۸

۲ احکام و مسائل از حافظ عبد المنان نور پوری: ۲/۲۱۹، ۲۱۸

۳ سنن ابی داؤد: ۱۷۶۵؛ مسند احمد: ۴/۳۵۰؛ صحیح ابن خزیمہ: ۲۹۱۷؛ مستدرک حاکم: ۴/۲۲۱، اسنادہ صحیح

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ حدیث دلیل ہے کہ یوم نحر سال کے تمام ایام سے افضل دن ہے اور امام ابن تیمیہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔

سوال: یوم عرفہ، جمعہ، عید الفطر اور یوم نحر میں سے کون سا دن افضل ہے؟

جواب: علماء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں سے جمعہ کا دن افضل ہے اور سال کے تمام دنوں سے یوم نحر (دس ذوالحجہ) افضل ہے۔ البتہ کچھ علماء نے یوم عرفہ کو بھی افضل قرار دیا ہے لیکن پہلا موقف راجح ہے کیونکہ اس کی فضیلت میں نبی ﷺ سے مروی ہے کہ "اللہ کے نزدیک تمام ایام سے افضل دن یوم نحر (دس ذوالحجہ) پھر گیارہ ذوالحجہ ہے۔"

نیز یہ دن اس لیے بھی فضیلت کا حامل ہے کہ اس میں مزدلفہ کا وقوف، جمرہ عقبہ کو رمی کرنا، قربانی، حلق اور طوافِ افاضہ جیسی عظیم عبادات کا اہتمام ہوتا ہے اور باتفاق علماء یہ سال بھر کی افضل عبادات ہیں جو اس مبارک دن میں انجام پذیر ہوتی ہیں۔[1]

یوم عرفہ کا روزہ، میدانِ عرفات میں

یوم عرفہ کا روزہ میدانِ عرفات میں مکروہ ہے کیونکہ اس دن مشقت طلب مناسک ادا کرنا ہوتے ہیں جن کی حالتِ روزہ میں انجام دہی کافی مشکل ہے۔ لہٰذا حجاج کرام کے لیے یوم عرفہ کا روزہ ترک کرنا بہتر ہے۔ نیز عرفات میں نبی کریم ﷺ کا یوم عرفہ کا روزہ چھوڑنا بھی اس عمل کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔

① اُم الفضل بنتِ حارثؓ بیان کرتی ہیں:

شك الناس يوم عرفة في صوم النبي ﷺ فبعثتُ إلىٰ النبي بشراب فشربه[2]

"عرفہ کے دن لوگوں نے نبی ﷺ کے روزے میں شک کیا (کہ نہ معلوم آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا ہے یا نہیں؟) تو میں نے نبی ﷺ کی طرف (حقیقتِ حال سے واقفیت کے لیے) مشروب (دودھ) بھیجا تو آپ ﷺ نے اسے نوش فرمایا۔"

② نیز جس روایت میں عرفات میں یوم عرفہ کی ممانعت ہے، وہ کمزور اور ناقابل احتجاج

---

۱ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۵/۲۸۸

۲ صحیح بخاری: ۱۶۵۸؛ صحیح مسلم: ۱۱۲۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ وہ ضعیف روایت یوں ہے کہ ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

أن رسول الله ﷺ نهىٰ عن صوم يوم عرفة بعرفة[1]

"بیشک رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں عرفہ کے دن کے روزہ سے منع فرمایا۔"

اس میں مہدی بن حرب العبدی مجہول راوی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے السلسلة الضعيفة نمبر ۴۰۴ کا مطالعہ کریں۔

عشرہ ذوالحجہ میں ممنوع کام

جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہے، وہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد نہ سر کے بال کٹوائے منڈوائے، نہ مونچھیں کتروائے، نہ زیر ناف بال مونڈے، نہ زیر بغل بال اُکھاڑے اور نہ ناخن ترشوائے، تاوقتیکہ وہ قربانی نہ کرلے۔ یہ تمام کام ایسے شخص کیلئے ناجائز وممنوع ہیں:

① اُمّ سلمہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إذا دخلت العشر وأراد أحدكم أن يضحى فلا يمس من شعره وبشره شيئًا»[2] "جب دس ذوالحجہ (یعنی ذوالحجہ کا چاند طلوع ہو) کا آغاز ہو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنا چاہے تو وہ اپنے بال اور جلد کے کسی حصہ کو نہ لے (یعنی بدن کے کسی حصہ سے بال نہ اُتروائے)۔"

گویا قربانی کا ارادہ رکھنے والا شخص ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد ذوالحجہ کے پہلے عشرہ میں جسم کے کسی بھی حصہ کے بال نہ کاٹے، نہ مونڈے، نہ اُکھاڑے، نہ ہی ناخن ترشوائے، ان ایام میں یہ کام حرام ہیں۔

② امام نووی بیان کرتے ہیں:

"بعض شافعیہ کہتے ہیں: ناخن نہ لینے کی ممانعت سے مراد ناخن تراشنا، توڑنا یا کسی بھی طریقے سے ناخن زائل کرنا ہے اور بال کاٹنے کی ممانعت سے بال مونڈنا، ہلکے کرنا، اُکھاڑنا، جلانا یا بال صفاپاوڈر کے ذریعے زائل کرنا ہے۔ یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں اور اس حکم میں زیر بغل، زیر ناف، سر کے بال اور مونچھیں یکساں حکم رکھتی ہیں۔"[3]

---

۱ سنن ابوداود: ۲۴۴۰؛ سنن ابن ماجہ: ۱۷۳۲؛ الضعیفة: ۴۰۴

۲ صحیح مسلم: ۱۹۷۷؛ سنن نسائی: ۴۳۶۹؛ سنن ابن ماجہ: ۳۱۴۹

۳ شرح النووی: ۱۳/ ۱۳۸، ۱۳۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بال اور ناخن کاٹنے کے بارے میں مذاہب و آرا

قربانی کا ارادہ رکھنے والے شخص کے لیے ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں بال اور ناخن زائل کرنا حرام ہے، مکروہ تنزیہی ہے یا جائز؟ اس بارے میں ائمہ اربعہ کی مختلف آرا ہیں۔ جنہیں ذکر کرنے کے بعد راجح موقف کی نشاندہی کی جائے گی۔

① سعید بن مسیب، ربیعہ، احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، داؤد ظاہری اور بعض شافعیہ کا موقف ہے کہ جس نے قربانی کرنی ہے، اس کے لیے جسم کے کسی حصہ کے بال اُتارنا اور ناخن تراشنا حرام ہے، تاوقتیکہ وہ قربانی نہ کر لے۔

② امام شافعی اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے کہ یہ عمل مکروہ تنزیہی ہے، حرام نہیں۔

③ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں:

"یہ عمل مکروہ نہیں (بلکہ جائز ہے) کیونکہ قربانی کرنے والے پر نہ تو بیوی سے مباشرت حرام ہے اور نہ لباس پہننا۔ لہٰذا جیسے قربانی نہ کرنے والے کے لیے بال اُتروانا اور ناخن تراشنا مکروہ نہیں، اسی طرح قربانی کرنے والے کے لیے بھی یہ چیزیں مکروہ نہیں۔"[1]

④ امام مالک سے تین اقوال منقول ہیں:

"۱. مکروہ نہیں۔ ۲. مکروہ ہے۔

۳. نفل قربانی میں حرام اور فرض قربانی میں غیر مکروہ ہے۔"[2]

راجح موقف: اوّل الذکر علماء کا موقف کہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں بال اور ناخن زائل کرنا حرام ہے، راجح ہے کیونکہ نہی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور یہاں کوئی قرینہ صارفہ نہیں جو نہی کو کراہت پر محمول کرے۔ جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

"یہاں نہی حرمت کو متقاضی ہے۔"[3]

اور امام شوکانی رقم طراز ہیں کہ

"(مذکورہ حدیث کا) ظاہر مفہوم حرمت کے قائلین کے موقف کی تائید کرتا ہے

---

1 نیل الاوطار: ۵/۱۱۹ لیکن حدیث الباب اس موقف کی تردید کرتی ہے۔
2 شرح النووی: ۱۳/۷ ۱۳۰، المغنی ابن قدامہ الشرح الکبیر: ۹۶/۱۱
3 المغنی لابن قدامہ مع شرح الکبیر: ۹۶/۱۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جس کا قربانی کا ارادہ ہو، اس کے لیے (ان دنوں میں) بال اور ناخن زائل کرنا حرام ہے۔"[1]

بال اور ناخن زائل نہ کرنے کی حکمت امام نووی کی زبانی یوں ہے:

"عشرہ ذوالحجہ میں بال اور ناخن نہ کاٹنے کی حکمت یہ ہے کہ قربانی کرنے والا کامل الاعضا رہے اور اسے جہنم سے کامل الاعضا ہی آزاد کیا جائے۔"[2]

بال اور ناخن قطع کرنے والے پر کوئی فدیہ ہوگا؟

قربانی کا ارادہ کرنے والا شخص اگر عشرہ ذوالحجہ میں بال یا ناخن قطع کروائے تو وہ گناہ کا مرتکب ہوگا، اس لیے اس حرام عمل سے اجتناب ضروری ہے اور بد عملی کی صورت میں استغفار کرنا چاہیے، البتہ اس پر کوئی فدیہ یا جرمانہ لاگو نہیں ہوگا۔ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

إذا ثبت هٰذا فإنه يترك قطع الشعر وتقليم الأظفار، فإن فعل استغفر الله تعالىٰ، ولا فدية فيه إجماعًا سواء فعله عمدًا أو ناسيًا[3]

"جب (عشرہ ذوالحجہ میں بال اور ناخن زائل کرنے کی حرمت) ثابت ہو چکی تو قربانی کرنے والے کو بال قطع کرنے اور ناخن تراشنے سے باز رہنا چاہیے پھر اگر وہ اس کا گناہ کا مرتکب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے۔ نیز اس گناہ کے ارتکاب پر بالاجماع کوئی فدیہ نہیں۔ خواہ اس نے یہ کام قصداً کیا ہو یا بھول کر۔"

کیا اس حکم میں گھر کے تمام افراد شامل ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ عشرہ ذوالحجہ میں بال کاٹنے اور ناخن تراشنے سے صرف وہ شخص اجتناب کرے گا جو قربانی کا منتظم اور سرپرست ہے۔ باقی اہل خانہ جن کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے یا گھر کے دیگر افراد جو قربانی میں شامل ہیں، وہ اس ممانعت میں شامل نہیں کیونکہ احادیث میں قربانی کا ارادہ رکھنے اور قربانی کرنے والے شخص کے لیے ہی بال اور ناخن زائل کرنے کی ممانعت ہے، باقی افراد اس حکم میں شامل نہیں۔ جیسا 'سعودی افتاء کونسل' کا فتویٰ ہے کہ

---

۱ نیل الاوطار: ۱۱۹/۵
۲ شرح النووی: ۱۳۸/۱۳، نیل الاوطار: ۱۱۹/۵
۳ المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر: ۹۷/۱۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"یہ حدیث "جس میں بال اور ناخن کاٹنے کی ممانعت ہے، صرف اس شخص کے ساتھ خاص ہے، جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ لوگ جن کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اُنہیں بال کاٹنے، مونڈنے اور ناخن تراشنے کی ممانعت نہیں، کیونکہ اصل جواز ہے اور ہمیں اس جواز کے خلاف کوئی دلیل معلوم نہیں۔"[1]

عشرہ ذوالحجہ میں تکبیرات کا آغاز واختتام

عشرہ ذوالحجہ میں تکبیرات کا آغاز و اختتام کب کیا جائے، اس بارے علماء کے مختلف اقوال ومذاہب ہیں:

① احمد بن حنبل، ابویوسف اور امام محمد کا موقف ہے کہ تکبیرات کا محل عرفہ (نو ذوالحجہ) کی فجر سے لے کر ایام تشریق (تیرہ ذوالحجہ) کے آخر تک ہر نماز کے بعد ہے۔

② عثمان بن عفانؓ، عبداللہ بن عباسؓ، زید بن علیؒ، امام مالک کا قول اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ تکبیرات کا وقت دس ذوالحجہ کی ظہر سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی فجر تک ہے۔

③ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ تکبیرات کا وقت دس ذوالحجہ کی نمازِ مغرب سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی فجر تک ہے۔

④ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: تکبیرات کا وقت عرفہ، نو ذوالحجہ کی فجر سے لے کر دس ذوالحجہ کی عصر تک ہے۔[2]

⑤ داؤد ظاہری، زہری اور سعید بن جبیر کا قول ہے کہ تکبیرات کا وقت دس ذوالحجہ کی ظہر تا تیرہ ذوالحجہ کے عصر تک ہے۔

راجح قول: حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے دنوں میں تکبیرات کی تعیین کے بارے میں نبی ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں اور صحابہ کرام میں سیدنا علیؓ اور ابن مسعودؓ سے صحیح منقول اقوال کی رو سے راجح ترین موقف یہ ہے کہ تکبیرات کا وقت عرفہ (نو ذوالحجہ) کی صبح سے لے کر منیٰ کے آخر دن (تیرہ ذوالحجہ) کی عصر تک ہے۔[3]

---

۱ فتاوٰی اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء: ۱۳/۵۰۰

۲ نیل الاوطار: ۳/۳۳۳

۳ فتح الباری: ۲/۵۹۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس موقف کے قرین صواب ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

① عمر بن سعید بیان کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالبؓ: كان يكبر من صلاة الفجر يوم عرفة إلىٰ صلاة العصر من آخر أيام التشريق [1]

"عرفہ کے دن نمازِ فجر سے لے کر تشریق کے آخری دن (تیرہ ذوالحجہ) کی عصر تک تکبیرات کہتے تھے۔"

② حکم بن فروخ بیان کرتے ہیں:

ان ابن عباس كان يكبر من غداة عرفة إلىٰ صلاة العصر من آخر أيام التشريق [2]

"بلاشبہ ابن عباسؓ عرفہ (نو ذوالحجہ) کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن (تیرہ ذوالحجہ) کی نماز عصر تک تکبیرات کہا کرتے تھے۔"

③ امام اوزاعی کا فتویٰ: ولید بن مزید بیان کرتے ہیں کہ امام اوزاعی سے عرفہ کے دن تکبیرات کہنے کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا:

يكبر من غداة عرفة إلىٰ آخر أيام التشريق كما كبّر علي وعبد الله

"یوم عرفہ کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن (کی نمازِ عصر) تک تکبیرات کہی جائیں، جیسے (ان دنوں میں) علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ نے تکبیرات کہی ہیں۔"[3]

ضعیف روایات کی نشاندہی: یوم عرفہ کی صبح سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی عصر تک تکبیرات کے بارے جتنی مرفوع روایات منقول ہیں، وہ ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔

① جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ إذا صلّى الصبح من غداة عرفة يقبل علىٰ أصحابه فيقول: «علىٰ مكانكم» و يقول: «الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد» فيكبر من غداة عرفة إلىٰ صلاة العصر من آخر أيام التشريق

۱ مصنف ابن ابی شیبۃ، اسنادہ صحیح
۲ مستدرک حاکم: ۱/۲۹۹، تعلیق: ۳/۳۱۴، إسنادہ صحیح
۳ مستدرک حاکم: ۱/۳۰۰، اسنادہ حسن۔ عباس بن ولید بن مزید صادق راوی ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

”رسول اللہ ﷺ جب یومِ عرفہ کی صبح نمازِ فجر ادا کرتے تو صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرماتے، اپنی جگہوں پر ٹکے رہو اور (یہ کلمات) الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد کہتے۔ پھر آپ ﷺ عرفہ کی صبح سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک تکبیرات کہتے رہتے تھے۔“[1]

④ جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يكبر في صلاة الفجر يوم عرفة إلىٰ صلاة العصر من آخر أيام التشريق حين يسلم من المكتوبات[2]

”رسول اللہ ﷺ عرفہ کے دن نمازِ فجر سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نمازِ عصر تک فرض نمازوں سے سلام کے بعد تکبیرات کہا کرتے تھے۔“

اس میں عمرو بن شمر متروک ہے اور جابر جعفی ضعیف و کذاب راوی ہے۔

اس بارے کئی اور ضعیف روایات بھی موجود ہیں لیکن بخوفِ طوالت انہیں بیان کرنے سے اجتناب کیا گیا ہے۔

کیا یکم ذوالحجہ سمیت ذوالحجہ کے ابتدائی آٹھ دنوں میں تکبیرات کہنا مشروع ہے؟

عید الاضحیٰ کا چاند نظر آنے پر تکبیرات شروع کرنے کے بارے کوئی واضح صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس بارے میں منقول مرفوع و موقوف روایات ضعیف اور ناقابل حجت ہیں لہٰذا صحیح موقف کی رو سے عید الاضحیٰ میں تکبیرات کا آغاز نو ذوالحجہ کی فجر کے وقت کرنا چاہیے اور اختتام تیرہ ذوالحجہ کی عصر کے بعد کرنا چاہیے جیسا کہ گزشتہ بحث میں مفصل وضاحت بیان ہوئی ہے۔

ضعیف روایات کا بیان

① عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب إليه من العمل فيهن من هذه

1 دار قطنی: ۱۷۱/۱۹، ارواء الغلیل: ۳/۱۲۴، ضعیف جداً اس حدیث کی سند میں عمرو بن شمر متروک راوی اور جابر جعفی ضعیف راوی ہے۔
2 دار قطنی: ۲/۱۸/۱۷۱:۲۹، ضعیف جداً

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الأيام العشر، فاكثروا فيهن من التهليل، والتكبير والتحميد»[1]

”ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم دن نہیں ہیں اور ان دنوں کے اعمال سے بڑھ کر عام دنوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب نہیں۔ سو تم ان دنوں میں تہلیل و تکبیر اور تحمید کا کثرت سے اہتمام کرو۔“

② ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ما من أيام أفضل عند الله ولا العمل فيهن أحب إلىٰ الله عزوجل من هذه الأيام العشر، فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير و ذكر الله، فإنها أيام التهليل و ذكر الله»[2]

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن باقی دنوں سے افضل ہیں اور ان کے اعمال (باقی دنوں کے اعمال سے) زیادہ محبوب ہیں۔ چنانچہ ان دنوں میں تہلیل و تکبیر اور ذکر کا بکثرت اہتمام کرو، کیونکہ یہ تہلیل و تکبیر اور ذکر اللہ کے دن ہیں۔“

③ كان ابن عمر وأبو هريرة يخرجان إلىٰ السوق في أيام العشر يكبران ويكبر الناس بتكبيرهما[3]

”ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں بازار میں نکل کر تکبیرات کہتے اور لوگ بھی ان کی تکبیر کے ساتھ تکبیرات کہتے تھے۔“

④ ابن عباسؓ نے وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ کی تفسیر بیان کی ہے کہ 'ایام معلومات' سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔

صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام التشریق ابن عباسؓ کے اس تفسیری قول سے یہ استدلال لینا کہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں تکبیرات مشروع ہیں، درست

1 مسند احمد: ۲/ ۲،۷۵/ ۱۳۱۔ اِسنادہ ضعیف، اس میں یزید بن ابی زیاد کوفی ضعیف مدلس راوی ہے اور اس حدیث میں اس کا عنعنہ بھی ہے۔

2 شعب الایمان للبیہقی: ۳/ ۳۵۶، ضعیف ترغیب وترہیب: ۷۳۰۵، اِسنادہ ضعیف جداً عبداللہ بن محمد بن وہب دینوری متہم بالکذب اور یحییٰ بن عیسیٰ رملی ضعیف راوی ہے۔

3 صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب فضل العمل فی ایام العشر، اسنادہ ضعیف۔ یہ اثر معلق اور بے سند ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ اثر مجھے متصل سند کے ساتھ نہیں ملا اور امام بیہقی اور امام بغوی نے بھی اس اثر کو معلق روایت کیا ہے۔ (فتح الباری: ۳/ ۵۹۰)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیونکہ ابن عباسؓ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ 'ایام معلومات' یوم نحر اور اس کے بعد کے تین دن ہیں اور امام طحاوی نے اس مؤخر الذکر قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ﴾[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام معلومات سے مراد قربانی کے دن ہیں۔ (ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن نہیں)"[2]... نیز عبداللہ بن عباسؓ کا ذاتی فعل بھی ان کے اوّل الذکر قول کے مخالف ہے جیسا کہ عکرمہ بیان کرتے ہیں:

ان ابن عباس كان يكبر من غداة عرفة إلىٰ صلاة العصر من آخر أيام التشريق[3]

"بلاشبہ ابن عباسؓ عرفہ کی فجر سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نماز عصر تک تکبیرات کہا کرتے تھے۔"

تکبیرات کے اوقات

تکبیرات کہنے کے مخصوص اوقات نہیں ہیں بلکہ ان دنوں تمام اوقات میں تکبیرات کا اہتمام مستحب عمل ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

① كان عمر رضى الله عنه يكبر في قبته بمنى فيسمعه أهل المسجد فيكبرون و يكبر أهل الأسواق حتى ترتج منىٰ تكبيرا

"عمرؓ منیٰ میں اپنے خیمے میں تکبیرات کہتے اور ان کی تکبیرات سن کر اہل مسجد اور بازار میں موجود لوگ تکبیرات کہتے حتیٰ کہ منیٰ تکبیر کی آواز سے گونج اٹھتا۔"

② وكان ابن عمر يكبر بمنىٰ تلك الأيام وخلف الصلوات وعلىٰ فراشه وفي فسطاطه و مجلسه و ممشاه و تلك الأيام جميعًا

"ابن عمرؓ منیٰ میں، منیٰ کے دنوں میں، نمازوں کے بعد، اپنے بستر پر، اپنے خیمے میں، اپنی مجلس میں اور چلتے پھرتے ان تمام دنوں میں تکبیرات کہا کرتے تھے۔"

③ وكان النساء يكبرن خلف أبان بن عثمان و عمر بن عبد العزيز ليالي

---

۱ سورۃ الحج:۲۸ "اور وہ چند معلوم دنوں میں اللہ کا ذکر کریں جو اللہ نے انہیں پالتو جانور عطا کئے ہیں۔"
۲ فتح الباری:۲/ ۵۹۰
۳ مستدرک حاکم:۱/ ۲۹۹، بیہقی:۳/ ۳۱۴، اسنادہ صحیح

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التشريق مع الرجال في المسجد[1]

"اور عورتیں تشریق کی راتوں میں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیرات کہتی تھیں۔"

فوائد

① حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں:

"امام بخاری نے اس موقف کو اختیار کیا ہے کہ تکبیرات کے دنوں میں تمام اوقات میں سبھی افراد (مرد و زن اور مقیم و مسافر) کے لیے تکبیرات کہنا مشروع ہیں اور مذکورہ بالا آثار اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔"[2]

② امام شوکانی کہتے ہیں:

"راجح مسئلہ یہ ہے کہ محض نمازوں کے بعد مخصوص اوقات میں تکبیرات کہنا مستحب نہیں بلکہ تکبیرات کے تمام دنوں میں ہر وقت تکبیرات کہنا مستحب فعل ہے اور اوپر بیان کردہ آثار اس کی دلیل ہیں۔"[3]

③ ایام تشریق میں تکبیرات کے مخصوص اوقات نہیں ہیں بلکہ ان دنوں میں ہر وقت تکبیرات کہنا مستحب فعل ہے۔[4] نیز جس روایت میں فرض نمازوں کے بعد تکبیرات کہنے کی تخصیص ہے، وہ روایت ضعیف ہے جو جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يكبر في صلاة الفجر يوم عرفة إلىٰ صلاة العصر من آخر أيام التشريق حين يسلم من المكتوبات[5]

"رسول اللہ ﷺ عرفہ کے دن نمازِ فجر سے لے کر ایام تشریق کے آخری دن کی نمازِ عصر تک (اس وقت) فرض نمازوں سے سلام پھیرتے وقت تکبیرات کہا کرتے تھے۔"

---

۱ صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب التکبیر أیام منیٰ و إذا غدا إلی العرفة

۲ فتح الباری: ۲/۵۹۵

۳ نیل الاوطار: ۳/۳۳۴

۴ فقہ السنہ: ۱/۳۰۷

۵ دار قطنی: ۲/۴۹: ۱۷۱۷، نصب الرایہ: ۳/۴۰۶، اسنادہ ضعیف جداً، عمرو بن شمر متروک اور جابر بن یزید بن حارث جعفی ضعیف اور کذاب راوی ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورتیں بھی تکبیرات کہیں گی!

جس طرح عیدین میں مردوں کو تکبیرات کہنے کا حکم ہے، عورتیں بھی اس حکم میں شامل ہیں اور عورتوں کے لیے بھی تکبیرات کہنا مستحب فعل ہے۔ اس کے مزید دلائل حسب ذیل ہیں:

① صحیح بخاری میں ترجمۃ الباب میں مذکور ہے:

وكان النساء يكبرن خلف أبان بن عثمان و عمر بن عبد العزيز ليالي التشريق مع الرجال في المسجد[1]

"اور عورتیں تشریق کی راتوں میں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مسجد میں مردوں کے ساتھ تکبیرات کہتی تھیں۔"

تاہم عورتوں کے تکبیرات کہنے کی مشروعیت کے بارے علماء کی مختلف آرا ہیں:

① مالک اور شافعی کا مذہب ہے کہ ایام تشریق میں نمازوں کے بعد عورتوں پر تکبیرات کہنا لازم ہے۔

② ابوحنیفہ کہتے ہیں: ایام تشریق میں عورتیں تکبیرات نہیں کہیں گی۔

③ ابویوسف اور محمد کا موقف ہے کہ عورتوں کے لیے تکبیرات ایسے ہی مشروع ہیں جیسے مردوں کے لئے تکبیرات مشروع ہیں۔[2]

④ سفیان ثوری کی رائے ہے کہ عورتیں نماز باجماعت ادا کرنے کی صورت میں تکبیرات کہیں گی، امام احمد نے بھی اسی قول کو احسن کہا ہے۔

⑤ البتہ امام احمد سے ایک دوسرا قول منقول ہے کہ عورتیں تکبیرات نہ کہیں، کیونکہ تکبیر ایسا ذکر ہے جس میں آواز بلند کرنا مشروع ہے اور اذان کی طرح تکبیرات میں آواز بلند کرنا عورت کے لیے جائز نہیں۔[3]

اس مسئلہ میں راجح موقف یہ ہے کہ بلا تعیین و تخصیص عورتیں بھی تکبیرات کے دنوں میں ہر وقت تکبیرات کہہ سکتی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں:

1 صحیح بخاری، کتاب العیدین، باب التكبير أيام منىٰ و إذا غدا إلى العرفة

2 شرح ابن بطال: ۴/ ۱۹۲

3 المغنی مع الشرح الکبیر: ۲/ ۲۴۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تکبیرات کے اوقات (اور تکبیرات کون کہے) اس بارے میں کافی اختلاف ہے:

① بعض علماء نے تکبیرات کا وقت نماز کے بعد مخصوص کیا۔

② کچھ علماء نے نوافل کے بجائے فرض نمازوں کے بعد کا وقت تکبیرات کے لیے خاص کیا۔

③ بعض علماء نے تکبیرات کو عورتوں کے بجائے مردوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔

④ کچھ نے منفرد کے بجائے نماز باجماعت کی تخصیص کی ہے۔

⑤ بعض نے قضا نماز کو چھوڑ کر ادا نماز کی شرط عائد کی ہے۔

کچھ علماء نے مسافر کے سوا مقیم کی قید لگائی ہے لیکن امام بخاری نے اس مسئلہ کو اختیار کیا ہے کہ تکبیرات کہنا (تمام اوقات اور) تمام افراد (مرد، عورت، مقیم ومسافر سبھی کے لیے) مشروع وجائز ہے اور ترجمۃ الباب میں منقول آثار اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔[1]

حائضہ عورتیں بھی تکبیرات کہیں گی!

عیدین میں حائضہ عورتوں کو بھی تلقین ہے کہ وہ تکبیرات کا اہتمام کریں۔ سیدہ عطیہ بیان کرتی ہیں:

كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى نُخرج البكر من خدرها حتى نخرج الحيض فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته[2]

"ہمیں عید کے دن (عید گاہ میں) پہنچنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ (ہمیں حکم ہوتا کہ) ہم دوشیزہ کو اس کی خلوت گاہ سے اور حائضہ عورتوں کو بھی نکالیں اور وہ (حائضہ عورتیں) لوگوں کے پیچھے رہیں اور ان کی تکبیرات کے ساتھ تکبیرات کہیں۔ ان کی دعاؤں کے ساتھ دعا کریں اور وہ اس دن کی برکت اور گناہوں سے پاکی کی امید رکھیں۔"

البتہ واضح رہے کہ عورتوں کی آواز مردوں تک نہ پہنچے جیسا کہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

وينبغي لهن أن يخفضن أصواتهن حتى لا يسمعهن الرجال[3]

---

۱ فتح الباری: ۲/۵۹۵

۲ صحیح بخاری: ۹۷۱

۳ المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر: ۲/۲۴۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"عورتوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ پست آواز میں تکبیرات کہیں حتیٰ کہ مرد ان کی آواز نہ سن سکیں۔"

اور ابن رجب حنبلی رقم طراز ہیں:

"جب عورتیں باجماعت نماز ادا کریں تو وہ بھی مردوں کے ساتھ تکبیرات کہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں: ولكن المرأة تخفض صوتها بالتكبير[1]
"تاہم تکبیرات کہتے وقت عورت اپنی آواز پست رکھے۔"

تکبیرات کے الفاظ

تکبیرات کے متعلق متعین الفاظ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں بلکہ اس بارے میں آپ ﷺ کی طرف منسوب روایت انتہائی ضعیف ہے جسے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا گیا ہے:

كان رسول الله ﷺ إذا صلّى الصبح من غداة عرفة يقبل على أصحابه فيقول: «علیٰ مكانكم» ويقول: «الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر، ولله الحمد»[2]

"رسول اللہ ﷺ عرفہ کی صبح جب نماز فجر ادا کرتے تو اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر کہتے: اپنی جگہوں پر برقرار رہیے اور آپ ﷺ یہ کلمات: الله أكبر، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد کہتے تھے۔"

اس میں عمرو بن شمر متروک اور جابر بن یزید بن حارث جعفی ضعیف اور کذاب ہے۔

البتہ بعض صحابہ کرامؓ سے بسند صحیح تکبیرات کے الفاظ منقول ہیں:

① عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ (بایں الفاظ) الله أكبر كبيرا، الله أكبر كبيرا، الله أكبر وأجل، الله أكبر ولله الحمد تکبیرات کہا کرتے تھے۔[3]

② ابو عثمان نہدی روایت کرتے ہیں:

كان سلمان يعلّمنا التكبير يقول: كبروا الله، الله أكبر، الله أكبر،

---

1 فتح الباری لابن رجب: ۷/۵۸
2 سنن دار قطنی: ۲/۵۰ ... ارواء الغلیل: ۳/۱۲۵ ... اسنادہ ضعیف جداً
3 مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۶۴۵، اسنادہ صحیح

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرارًا، اللهم أنت أعلىٰ وأجل من أن تكون لك صاحبة، أو يكون لك ولد، أو يكون لك شريك في الملك أو يكون لك ولي من الذل وكبره تكبيرًا، الله أكبر تكبيرًا، اللهم اغفرلنا اللهم ارحمنا

''سلمان فارسیؓ ہمیں تکبیرات کے الفاظ کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ کہتے تم اللہ کی کبریائی بیان کرو۔(یعنی) باربار الله أكبر کہو (پھر یہ کلمات کہو): اللهم أنت أعلىٰ وأجل من أن تكون لك صاحبة أو يكون لك ولي من الذل وكبره تكبيرا ، الله أكبر تكبيرا، اللهم اغفرلنا، اللهم ارحمنا

''اے اللہ! تو اس سے بالا وبرتر ہے کہ تیری بیوی ہو، یا تیری اولاد ہو، یا بادشاہت میں تیرا کوئی شریک ہو، یا کمزوری میں تیرا کوئی مددگار ہو، اور اس کی خوب بڑائی بیان کرو، اللہ واقعی سب سے بڑا ہے، اے اللہ! ہمیں معاف فرما، ہم پر رحم فرما۔''[1]

ضعیف آثار: اس بارے میں صحابہ کرامؓ سے بعض ضعیف روایات بھی مروی ہیں جیسا کہ

① عبداللہ بن مسعودؓ ایام تشریق میں ان الفاظ میں الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد تکبیرات کہتے تھے۔[2]

② شریک بن عبداللہ قاضی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابواسحاق سبیعی سے پوچھا کہ علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ تکبیرات کیسے کہتے تھے؟ انہوں نے بیان کیا کہ یہ دونوں حضرات (ان الفاظ میں) الله أكبر، الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر ولله الحمد تکبیرات کہا کرتے تھے۔[3]

الغرض چونکہ کتاب وسنت میں تکبیرات کے مخصوص الفاظ وارد نہیں ہیں، اس لیے صحیح آثار صحابہ سے ثابت تکبیرات کے الفاظ کا اہتمام کرنا ہی افضل ہے، تاہم ضعیف روایت اور آثار میں مذکور الفاظ کا اہتمام کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کا مقصود پورا ہو جاتا ہے۔

۱ مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۲۹۰: ۲۰۵۸۱، بیہقی: ۳/۳۱۶، اسنادہ صحیح، حافظ ابن حجر نے اس اثر کو باعتبارِ سند صحیح ترین قرار دیا ہے۔ فتح الباری: ۲/۵۹۵

۲ مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۶۳۲، اسنادہ ضعیف... ابواسحاق سبیعی کی تدلیس ہے۔

۳ مصنف ابن ابی شیبہ: ۵۶۵۲، اسنادہ ضعیف... شریک بن عبداللہ قاضی سیئ الحفظ ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد
دار الافتاء، جامعہ مدنیہ، لاہور

توہینِ رسالت کا مسئلہ اور عمار خان ناصر

محدث کا گذشتہ شمارہ مسئلہ توہین رسالت کے بارے میں حنفیہ کے موقف کی وضاحت پر مشتمل تھا، جس میں علماے احناف کے موقف کا دفاع اُن کے نامور علما و فقہا کی تحریروں کی مدد سے کیا گیا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ شاتم رسول کی سزاے قتل ہونے میں حنفیہ کا موقف بھی اُمتِ اسلامیہ کے ساتھ ہی ہے جیسا کہ اجماع کی متعدد تصریحات سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ آج بعض لوگ حنفیہ کو بلاوجہ ملتِ اسلامیہ سے اس مسئلہ میں علیحدہ باور کرا کے توہین رسالت کی شرعی سزا میں گنجائشیں اور شکوک پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس ناروا کوشش سے پاکستان سمیت دنیا بھر میں توہین رسالت کی بدترین کوششوں کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔

شمارہ سابقہ میں راقم کے علاوہ حنفی بریلوی مکتبِ فکر کے نامور عالم مفتی محمد خاں قادری کے ادارے کے مہتمم علامہ خلیل الرحمٰن قادری نے بھی احناف کے اسی موقف کی مفصل وضاحت کی تھی۔ یوں تو مزید تحقیق کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بعض چیزوں میں تکرار کا بھی اندیشہ ہے، تاہم علماے احناف دیوبندیہ کا اپنا موقف مفصل طور پر شائع نہ ہوا تھا۔ اس بنا پر ذیل میں ہم لاہور کے موقر ادارے جامعہ مدنیہ کے مفتی ڈاکٹر عبدالواحد ﷾ کا مضمون شائع کر رہے ہیں تاکہ مسئلہ توہین رسالت کے بارے میں علماے احناف کا براہِ راست موقف بھی سامنے آجائے۔ مفتی صاحب نے اس موقف میں حنفی موقف کی تفصیل کے ساتھ اس کی توجیہ کرنے کی بھی جابجا سعی فرمائی ہے اور مدیر ماہنامہ 'الشریعہ' جناب عمار خاں ناصر کی تردید و تغلیط کرتے ہوئے اسی موقف کو پوری قوت سے پیش کیا ہے کہ "علماے دیوبند احناف کے نزدیک بھی شاتم رسول کی سزا قتل ہی ہے اور اگر شاتم ذمی ہو تو اس کی تعزیر میں بھی اصل سزاے قتل ہی ہے، جبکہ حنفیہ کے موقف میں شاتم رسول کے لئے کوئی نرمی اور گنجائش نہیں پائی جاتی۔" مفتی موصوف کے بعض استدلالات سے جزوی اختلاف کا حق محفوظ رکھتے ہوئے، یہ محققانہ تحریر ہدیۂ قارئین ہے۔ تحریر کی طوالت کی بنا پر بعض مقامات کو حذف اور بعض کی ضروری ترتیب بندی کی گئی ہے۔ (حافظ حسن مدنی)

حدود و قصاص اور جہاد کے بعد عمار خان صاحب نے توہین رسالت کے موضوع پر 'توہین رسالت کا مسئلہ' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ ذمی یعنی مسلمان ملک کا کافر شہری اگر توہین رسالت کا ارتکاب کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ عمار خان صاحب نے اسی سے متعلق یہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب لکھی ہے۔ اگر کوئی مسلمان توہین رسالت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سوال سے متعلق اُنہوں نے اس کتاب میں کوئی بحث نہیں کی۔

عمار خان صاحب کے بارے میں ہمیں یہ تجربہ ہوا کہ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی ایسی قدرِ مشترک نہیں ہے جس کی بنیاد پر فریقین کی بات کو ناپا تولا جاسکے۔ اس لیے اس کتاب کو دیکھ کر رکھ دیا تھا کہ اس پر تبصرہ کرنے کا فائدہ نہیں۔ البتہ یہ خیال بھی تھا کہ اگر عمار خان صاحب اس تبصرہ سے فائدہ نہ اُٹھائیں تو وہ جانیں دوسرے لوگوں کو تو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو گا۔ اتنے میں مولانا سرفراز خان صفدر کے خاندان کے ایک فرد مولانا سرفراز حسن حمزہ کی جانب سے ماہنامہ 'صفدر' کا ایک شمارہ ملا اور ساتھ ہی ان کا یہ مطالبہ بھی کہ عمار خان صاحب کی کتاب پر کچھ لکھ دو۔ ان کی تحریر اور مطالبے نے تحریک پیدا کی اور یوں بنام خدا ایک مضمون تیار ہو گیا۔

اس مضمون و تبصرے سے غرض کسی خاص واقعہ یا مقدمہ سے متعلق کچھ لکھنا نہیں ہے بلکہ غرض صرف اتنی ہے کہ عمار خان صاحب نے اپنی کتاب کے ذریعہ سے جو مغالطے دینے کی اور اُمت میں انتشار پھیلانے کی کوشش کی ہے، اس کا توڑ ہو سکے اور لوگ ان کے مغالطوں کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔

عمار خان ناصر کے دو مقاصد

عمار خان صاحب اپنی تازہ تحقیق کے دو مقاصد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جہاں تک ریاست کی سطح پر قانون سازی کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ قانون ساز ادارے کسی ایک فقہی مکتب فکر کی آرا کے پابند نہیں ہیں، ایک اجتہادی مسئلے میں اُنہیں پورا حق حاصل ہے کہ وہ دین و شریعت کی جس تعبیر کو زیادہ درست سمجھیں اس پر قانون سازی کی بنیاد رکھیں لیکن اس کی وجہ سے نہ تو علمی دائرے میں بحث و مباحثہ پر کوئی قدغن عائد کی جاسکتی ہے اور نہ اس امکان کا دروازہ بند کیا جاسکتا ہے کہ اگر غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے نتیجے میں قانون ساز ادارے کسی دوسری تعبیر کی صحت پر مطمئن ہو جائیں تو پھر وہ اسے قانون کا درجہ دے دیں۔ چنانچہ ۱۹۸۶ء میں پارلیمنٹ نے توہین رسالت سے متعلق قانون سازی کرتے ہوئے سزائے موت کے علاوہ عمر قید کی متبادل سزا کی گنجائش بھی رکھی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۹۰ء

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہ مسئلہ وفاقی شرعی عدالت میں زیر بحث آیا تو عدالت نے مخالف نقطہ نظر کو راجح قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ اس جرم پر سزائے موت ہی واحد سزا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح اگر یہ مسئلہ آئندہ کسی موقع پر عدالت یا پارلیمنٹ میں دوبارہ زیر بحث آتا ہے تو اس کا پورا امکان ہے کہ سزائے موت کے ساتھ ساتھ متبادل اور کمتر سزاؤں کی گنجائش کو دوبارہ کتابِ قانون میں شامل کر لیا جائے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

① جو مسئلہ فقہی روایت میں ایک اختلافی اور اجتہادی مسئلہ کے طور پر معروف چلا آ رہا ہے، اسے متفقہ اور اجماعی مسئلے کے طور پر پیش کرنا اور اس حوالے سے آزادانہ بحث و مباحثہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا علمی و اخلاقی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔

② اسی طرح نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی کے حوالے سے توہین و تنقیص کے واقعات پر ردّ عمل ظاہر کرنے اور خاص طور پر قانونی سطح پر کوئی اقدام کرتے ہوئے ان بہت سے حکیمانہ پہلوؤں کا لحاظ بھی بہت ضروری ہے جن کا ثبوت خود نبی ﷺ کے اُسوہ حسنہ اور صحابہ کرام کے طرزِ عمل میں ملتا ہے۔ ان تمام پہلوؤں کو نظر انداز کر کے اگر اس معاملے میں محض جذباتی انداز اختیار کر لیا جائے یا اس ضمن میں اسلامی قانون کی ایسی تعبیر پر اصرار کیا جائے جس کے نتیجے میں ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو یکسر قربان کر دینا پڑے جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی، تو یقینی طور پر اس رویے کو کوئی متوازن اور دین و شریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جا سکتا۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ عمار خان صاحب کا معاملہ عجیب ہے۔ جو پالیسی اُنہوں نے اختیار کی ہے اس میں کہیں تو وہ تمام فقہا کو ایک طرف کر کے اور اجماع کے وجود کا انکار کر کے اپنا اجتہاد پیش کرتے ہیں اور صرف اُسی میں ان کو حکمتیں اور مصلحتیں نظر آتی ہیں اور کہیں وہ کسی فقیہ کی بات پر ایسے ریجھتے ہیں کہ گویا اُن کی تقلید ہی کر رہے ہوں۔ لیکن عمار خان کی خواہ یہ بات ہو یا وہ بات ہو، ان کا مقصد تو دراصل اُمت میں دین و علم کے نام پر انتشار پیدا کرنا اور ائمہ پر

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ ص ۸۹،۹۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طعن کرنا ہے۔ اس کی نقد مثال عمار خان کی مذکورہ عبارت ہے، جو دوبارہ ملاحظہ کریں:

"یا اس ضمن میں اسلامی قانون کی ایسی تعبیر پر (جیسے توہین رسالت کے مسئلے میں ائمہ ثلاثہ کے قول پر) اصرار کیا جائے جس کے نتیجے میں ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو یکسر قربان کر دینا پڑے جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کی (لیکن ان ائمہ نے نہیں کی) تو یقینی طور سے اس رویے کو (یعنی ائمہ ثلاثہ کے قول کو حکم و قانون بنانے پر اصرار کرنا) کوئی متوازن اور دین و شریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جاسکتا۔"[1]

ائمہ ثلاثہ پر عمار صاحب کے انتہائی گمراہ کن دو الزام: دیکھئے عمار صاحب یہاں انتہائی خطرناک اور گمراہ کن باتیں کہہ گئے ہیں۔ ان کی وضاحت ہم ذیل میں کرتے ہیں:

① اُنہوں نے ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ پر الزام لگایا کہ نبی ﷺ نے اور آپ کے صحابہ نے تو جن حکمتوں اور مصلحتوں کی خود رعایت کی ہے، ان ائمہ نے ان کی رعایت نہیں کی۔

ہم کہتے ہیں جو شخص احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں سے واقف نہ ہو یا حکم میں ان کی رعایت نہ کرتا ہو وہ مجتہد کیسے ہو سکتا ہے؟ کجا یہ کہ وہ نبی ﷺ کی رعایت کردہ حکمتوں کو بھی نہ سمجھ سکے۔

② عمار صاحب نے اس عبارت میں ائمہ ثلاثہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ اُنہوں نے پہلے الزام کے نتیجے میں دین و شریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی نہیں کی۔ اسی لیے ائمہ ثلاثہ کے قول کو قانون بنانے اور پھر باقی رکھنے کا رویہ یقینی طور سے دین و شریعت کی ہدایات کی درست ترجمانی کرنے والا رویہ نہیں کہا جاسکتا۔

یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے!

ہم کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق اگرچہ ایک ہے لیکن عمل سب کا مقبول ہے۔ علاوہ ازیں اجتہادی مسائل میں ہر مجتہد کا قول صواب، محتمل خطا ہوتا ہے اور ان میں سے کسی کے قول کو یقینی طور پر درست یا خطا نہیں کہا جاسکتا۔

---

1 توہین رسالت کا مسئلہ ص ۸۹،۹۰

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمار خان صاحب نے اوپر کی عبارت میں اپنی تحریر کے دو مقصد بتائے ہیں۔ آگے ہم ان کے دونوں مقصدوں پر علیحدہ علیحدہ کلام کرتے ہیں۔

عمار خان صاحب کا پہلا مقصد

عمار صاحب کا یہ اقتباس ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ

"جو مسئلہ فقہی روایت میں ایک اختلافی اور اجتہادی مسئلہ کے طور پر معروف چلا آ رہا ہے، اسے متفقہ اور اجماعی مسئلے کے طور پر پیش کرنا اور اس حوالے سے آزادانہ بحث و مباحثہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا علمی و اخلاقی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔"

عمار خان صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ذمی اگر توہین رسالت کرے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اس کی سزائے موت کو حد کہتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ اس کو تعزیر کے تحت لاتے ہیں اور تعزیر میں قتل متعین نہیں ہے۔ قانون بنانے کے وقت میں بھی اور قانون میں ترمیم پر غور کرنے کے وقت میں بھی یہی کہے جانا کہ ذمی توہین رسالت کرے تو اس کی سزائے موت پر سب کا اتفاق و اجماع ہے علمی و اخلاقی بددیانتی ہے اور اس سے آزادانہ غور و فکر اور بحث و مباحثہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

تبصرہ: عمار خان صاحب نے واضح نہیں کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو ایک اختلافی مسئلے کو اجماعی اور متفقہ بتا رہے ہیں۔ جو لوگ اجماع کے قائل ہیں وہ بعض اوقات ائمہ اربعہ کے یا چاروں فقہی مذاہب کے اتفاق کو بھی مجازاً اجماع کہہ دیتے ہیں اور یہ کوئی غلط بات بھی نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

وقال الإمام السبكي أيضًا ماحاصله لا أعلم خلافًا بين القائلين بقتله من المذاهب الثلاثة المالكية والشافعية والحنابلة في أنه لا تصح توبته مع بقائه علىٰ الكفر[1]

"امام سبکی نے جو کلام کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تین مذاہب والے یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ جو کہ نبی ﷺ پر سب و شتم کرنے والے ذمی کے قتل کے قائل

1 رسائل ابن عابدین: ۱/ ۳۵۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، ان کا اس بارے میں کچھ اختلاف نہیں ہے کہ اس ذمی کی کفر پر رہتے ہوئے توبہ قبول نہیں ہے۔"

[اس کے بعد علامہ ابن عابدین نے ائمہ مجتہدین کے براہِ راست اقوال بھی ذکر کیے ہیں اور ائمہ ثلاثہ کے یہ اقوال عمار صاحب کی پیش نظر کتاب کے صفحہ ۲۵ پر بھی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔]

حنفیہ کا اجمالی موقف

① حكي عن أبي حنيفة رحمه الله قال: لا يقتل الذمي بشتم النبي ﷺ لأن ما هم عليه من الشرك أعظم[1]

"امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ ذمی کو نبی ﷺ پر سب وشتم کرنے سے (حد کے طور پر) قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ جس کفر و شرک میں مبتلا ہے وہ اس برائی سے زیادہ بڑی برائی ہے۔"

② قاضی عیاض اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں: ولكن يؤدب ويعزر

"البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی۔"

③ علامہ خیر الدین رملی لکھتے ہیں:

وهو يدل علىٰ جواز قتله زجرًا لغيره إذ يجوز الترقي في التعزير إلى القتل إذا عظم موجبه[2]

"تعزیر کیے جانے کا قول مجرم کے قتل کے جواز پر دلالت کرتا ہے تاکہ دوسروں کو زجر ہو کیونکہ جب کسی کا جرم بڑا ہو تو تعزیر میں قتل بھی شامل ہو جاتا ہے۔"

ابن کمال پاشا نے لکھا:

والحق أنه يقتل عندنا إذا أعلن بشتمه عليه الصلاة والسلام صرح به سير الذخيرة حيث قال: واستدل محمد لبيان قتل المرأة إذا أعلنت بشتم الرسول بما روي...

حق یہ ہے کہ جب ذمی نبی ﷺ پر اعلانیہ سب وشتم کرے تو ہمارے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا۔ ذخیرہ کی کتاب السیر میں اس طرح سے اس کی تصریح کر کے بتایا

---

۱ رسائل ابن عابدین: ۱/ ۳۵۲

۲ ایضاً: ۱/ ۳۵۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ امام محمد نے اس بات پر کہ جب ذمی عورت نبی ﷺ پر اعلانیہ سب و شتم کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اس روایت سے استدلال کیا۔"

الغرض مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے ذمی کو قتل کیا جائے گا الا یہ کہ وہ مسلمان ہو جائے جبکہ حنفیہ کے نزدیک اسکو تعزیر کی جائے گی اور وہ تعزیر قتل بھی ہو سکتی ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ تعزیر کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اسے حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ موقع و مقام کی مناسبت سے سزا سنائے لیکن یہ طریقہ آج کل متروک ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قانون ساز ادارے قانون سازی کر کے تعزیر کی کوئی خاص صورت مثلاً قتل کو متعین کر دیں اور اس کو قانون بنا دیں۔ موجودہ دور میں یہ دوسرا طریقہ رائج ہے اور حاکم کی طرف براہِ راست مقدمات نہیں جاتے، جیسا کہ سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں یہ قانون جاری ہوا تھا:

ثم رأيت في معروضات المفتي أبي السعود أنه ورد أمر سلطاني بالعمل بقول أئمتنا القائلين بقتله إذا ظهر أنه معتاده

"مفتی ابو سعود کی معروضات میں ہے کہ سلطانی حکم جاری کیا گیا کہ ہمارے وہ ائمہ جو ذمی کے قتل کے قائل ہیں جبکہ وہ عادی ہو جائے انکے قول پر عمل کیا جائے۔"

چنانچہ عمار صاحب کا قول کہ اختلافی مسئلہ کو متفقہ و اجماعی کہنا علمی و اخلاقی بددیانتی ہے، اس موقع پر درست نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اجماع کے مجازی استعمال میں وسعت ہے۔ حنفیہ میں سے امام محمد کے نزدیک ذمی اگر توہین رسالت اعلانیہ کرے تو پہلی ہی دفعہ میں اس کی سزا موت ہے۔ اس قول کے بعد یہ چاروں مذاہب کے ائمہ کا قول ہوا۔ اور اگر ایسا نہ بھی ہوتا اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر ہی سزائے قتل کو متعین کر دیا جائے اور قانون بنا دیا جائے تو اس وقت کہا جا سکتا ہے کہ اب چاروں مذاہب والوں کا اس سزا پر اتفاق و اجماع ہے۔ اس کو عمار خان صاحب یہ کہیں کہ "اسے متفقہ اور اجماعی مسئلے کے طور پر پیش کرنا اور اس حوالے سے آزادانہ بحث و مباحثہ کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا علمی و اخلاقی بددیانتی کے زمرے میں آتا ہے۔" خود دیانت و اخلاق اور انتظامِ مملکت کے خلاف ہے جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① قانون ساز ادارے اور وفاقی شرعی عدالت نے حنفیہ کے قول کو چھوڑ کر ذمی میں دیگر تین ائمہ کے قول کو لیا اور اس کے موافق قانون بنا دیا جب کہ خود عمار خان صاحب لکھتے ہیں کہ قانون ساز ادارے کسی ایک فقہی مکتب فکر کے پابند نہیں ہیں... اور وہ دین وشریعت کی جس تعبیر کو زیادہ درست سمجھیں، اس پر قانون سازی کی بنیاد رکھیں۔ اس کے باوجود عمار خان پارلیمنٹ اور وفاقی شرعی عدالت کے بارے میں یہ خیال کریں کہ بعض لوگوں کے اس دعوے پر کہ "توہین رسالت کرنے والا مسلمان ہو یا کافر دونوں کی سزائے موت پر اجماع و اتفاق ہے۔" وہ دونوں ادارے بہک گئے اور ذمی کے بارے میں حنفیہ کے موقف کو نظر انداز کر گئے، معقول بات نہیں ہے۔

② عمار خان لکھتے ہیں: "نویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں اندلس میں مسیحی راہنما سینٹ یولوجیس کی تحریک پر اسلام اور نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کر کے شہادت کا مرتبہ پانے کی ایک باقاعدہ تحریک چلائی گئی تھی جس میں پچاس کے قریب مسیحیوں نے مختلف اوقات میں اس جرم کی پاداش میں سزائے موت پائی۔ اس تحریک اور اس میں قتل کئے جانے والے مسیحیوں کی پوری داستان خود سینٹ یولوجیس کے قلم سے تاریخ میں محفوظ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف عام مسلمانوں نے ابتداءً اس طرح کے واقعات کو نظر انداز کیا بلکہ مالکی قاضیوں نے بھی بعض مجرموں کو موت دینے سے گریز کرتے ہوئے اپنی روش سے باز آنے کا موقع دیا۔ لیکن پھر ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کو دیکھتے ہوئے انہیں سزائے موت دے دی۔"[1]

عمار خان صاحب خود غور کریں کہ ان کے ذکر کردہ واقعہ میں عیسائیوں کی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے گستاخی کرنے والوں کو موت کی سزا دی گئی۔ سزائے موت کے باوجود ان کی ہٹ دھرمی اس وقت رکی جب ان کے پچاس آدمی مارے گئے۔ اگر ان کو سزائے موت سے کمتر سزا دی جاتی تو شاید پانچ سو سے بھی زیادہ آدمی توہین رسالت پر جری ہو جاتے۔

کیا ہمارے ملک کے حالات اس کا تقاضا نہیں کرتے جب کہ عیسائی طاقتیں توہین کرنے والوں کی اعلانیہ پشت پناہی کر رہی ہیں، اگر قانون میں نرمی ہو گی تو ان طاقتوں کی شہ پر ذمی

1 توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۲۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توہین رسالت پر جرات کریں گے۔

③ توہین رسالت پر سزا کا قانون بنانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔ اور وہ قانون بن چکا ہے لیکن ہمارے ملک کے بے دین طبقے کو اور عیسائی حکومتوں کو یہ قانون پسند نہیں ہے۔ امریکہ اور یورپ کی عیسائی حکومتوں کا ہمارے ملک کی حکومتوں پر مسلسل دباؤ ہے اور اس کے لیے وہ میڈیا پر بے تحاشہ خرچ کر رہی ہیں کہ اس قانون کو ختم کیا جائے تاکہ عیسائی اور قادیانی اور دیگر گمراہ لوگ اس قانون کی پکڑ سے آزاد ہو کر جیسی چاہیں گستاخی کریں اور یا تو بالکل سزا نہ پائیں یا محض خانہ پری کر دی جائے۔ اسی طرح ہمارا دین بیزار اور حکمران طبقہ اس قانون کو برا کہے تو اس کو بھی کچھ نہ کہا جائے۔ ان حالات میں ملک کے عوام و علما اگر ذمی کی سزائے موت کو ضروری سمجھیں تو عمار خان صاحب کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اُمت کے اندر انتشار پیدا کریں اور لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ قانون سازی میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور نہیں کیا گیا۔ حکمتوں اور مصلحتوں پر غور نہیں کیا گیا اور حنفیہ کی رائے کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے لہٰذا قانون ساز ادارے دوبارہ غور و فکر کر کے توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کریں۔

احناف کا تفصیلی موقف: امام محمد کے علاوہ دیگر متقدمین کا موقف

◉ امام سبکی نے اپنی کتاب السیف المسلول میں ذکر کیا کہ

وحكى عن أبي حنيفة رحمه الله قال لا يقتل الذمي بشتم النبي ﷺ لأن ما هم عليه من الشرك أعظم و قال القاضي عياض... إلا أبا حنيفة والثوري وأتباعهما من أهل الكوفة فإنهم قالوا: لا يقتل لأن ما هو عليه من الشرك أعظم ولكن يؤدب و يعزر[1]

"روایت ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ذمی اگر توہین رسالت کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ جس کفر و شرک پر وہ قائم ہے، وہ اس سے بڑا جرم ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ ذمی اگر توہین رسالت کرے... تو ابو حنیفہ اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ میں سے ان کے پیروکار اس بات کے قائل ہیں کہ ذمی کو قتل نہیں کیا

---

۱ رسائل ابن عابدین: ۱/ ۳۵۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائے گا کیونکہ جس کفر و شرک پر وہ قائم ہے، وہ اس سے بڑا جرم ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی۔"

◉ امام طحاوی فرماتے ہیں:

قال أصحابنا في من سب النبي ﷺ أو عابه... ولوكان ذميًا عُزر ولم يقتل[1]

"ہمارے اصحاب کہتے ہیں کہ جو ذمی توہین رسالت کرے، اسے تعزیر کی جائے گی البتہ قتل نہ کیا جائے گا۔"

◉ امام طحاوی مختصر الطحاوي میں لکھتے ہیں:

ومن كان ذلك منه من الكفار ذوى العهود... أمر أن لايعاوده فإن عاوده أدب عليه ولم يقتل[2]

"اگر توہین رسالت کرنے والا کافر ذمی ہو تو اس کو حکم کیا جائے گا کہ وہ آئندہ توہین کا اعادہ نہ کرے۔ اور اگر وہ اعادہ کرے تو اس کو تعزیر کی جائے گی اور اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔"

ہم کہتے ہیں، یہاں دو احتمال ہیں:

① پہلا یہ کہ امام ابو حنیفہ کے قول لا يُقتل کا مطلب یہ ہو کہ لا يقتل حدًا یعنی حد کے طور پر قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی جس میں مجرم کی زیادہ سرکشی کی صورت میں قتل کی سزا بھی شامل ہے۔ اس صورت میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد اور متاخرین کا تعزیر بالقتل پر اتفاق ہوا۔

② اگر امام ابو حنیفہ کی مراد یہ ہو کہ خواہ کتنی سرکشی ہو، ذمی کو تعزیر میں قتل نہ کیا جائے گا تو عمار صاحب بھی اس کے قائل نہیں اور امام صاحب سے بھی یہ بعید معلوم ہوتا ہے۔

امام محمد اور متاخرین حنفیہ کا قول

درِ مختار کے باب الجزیہ میں ہے:

و يؤدب الذمي و يعاقب على سبه دين الإسلام أو القرآن أو

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۵۵

۲ ایضاً: ص ۵۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النبی ﷺ حاوی وغیره. قال العینی و اختیاري في السب أن یقتل... وتبعه ابن الهمام. قلت و به أفتی شیخنا الخیر الرملي وهو قول الشافعي ثم رأیت في معروضات المفتي أبي السعود أنه ورد أمر سلطاني بالعمل بقول أئمتنا القائلین بقتله إذا ظهر أنه معتاده وبه أفتی ثم افتی في بکر الیهودی قال لبشر النصراني: "نبیکم عیسی ولد زنا" بأنه یقتل لسبه للأنبیاء علیهم الصلاة والسلام... قلت: و یؤیده أن ابن کمال باشا في أحادیثه الأربعینیة... والحق أنه یقتل عندنا إذا أعلن بشتمه علیه الصلاة والسلام صرح به في سیر الذخیرة حیث قال: و استدل محمد لبیان قتل المرأة إذا أعلنت بشتم الرسول ﷺ بما روی أن عمر بن عدي لما سمع عصماء بنت مروان تؤذي الرسول فقتلها لیلا مدحه علیٰ ذلك[1]

"اس ذمی کو تعزیر کی جائے گی جو دین اسلام کی یا قرآن کی یا نبی ﷺ کی توہین کرے، حاوی وغیرہ میں ایسے ہی منقول ہے۔ اسی بات کو ابن ہمام نے لیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی کا فتویٰ ہمارے شیخ خیر رملی نے بھی دیا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ پھر میں نے مفتی ابو سعود کی معروضات میں لکھا دیکھا کہ عثمانی سلطان کا حکم وارد ہوا ہے کہ ہمارے ان ائمہ کے قول پر عمل کیا جائے جو کہتے ہیں کہ ذمی کو سب وشتم کرنے کی عادت ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اسی کا اُنہوں نے فتویٰ دیا۔ پھر یہ فتویٰ دیا کہ جو کوئی یہودی کسی عیسائی کو کہے کہ تمہارے نبی عیسیٰ ولد الزنا تھے تو چونکہ یہودی نے انبیا علیہم السلام کی توہین کی ہے لہٰذا اسے قتل کیا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات کی تائید ابن کمال پاشا کی اس بات سے ہوتی ہے جو اُنہوں نے اپنی اربعین میں لکھی ہے۔ وہ یہ ہے: حق یہ ہے کہ ذمی جب نبی ﷺ کی توہین اعلانیہ کرے تو ہمارے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا۔ اس کی تصریح الذخیرۃ کے باب السیر میں ان الفاظ میں ہے: کوئی ذمی عورت جب نبی ﷺ کی علانیہ توہین کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا اس دلیل کی بنا پر کہ عمر بن عدی نے جب عصماء بنتِ مروان کو رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے سنا تو ایک رات اس کو قتل کر

1 رسائل ابن عابدین: ۱/ ۳۰۵، ۳۰۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا۔ ان کے اس فعل پر رسول ﷺ نے ان کی تعریف کی۔"

اس عبارت میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کی علانیہ توہین کرے تو اس کی سزا قتل ہے اور یہ بات علامہ عینی، ابن ہمام، مفتی ابو سعود، شیخ خیر رملی، ابن کمال پاشا اور امام محمد رحمہم اللہ کی کہی ہوئی ہے۔ البتہ امر سلطانی میں علانیہ توہین کے بجائے عادت بن جانے کا ذکر ہے۔

اب یہاں ہم ان میں سے ہر ایک کی عبارت علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں:

① امام محمد

استدل لبيان قتل المرأة إذا أعلن بشتم الرسول...

"عورت جب توہین رسالت اعلانیہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا..."

نوٹ: امام محمد متاخرین میں سے نہیں ہیں بلکہ کلاسیکی یعنی متقدمین فقہا میں سے ہیں۔

② علامہ عینی

قال الرملي عبارة العيني قال الشافعي ينتقض به لأنه ينقض بنقض الإيمان فالأمان أولىٰ وبه قال مالك و أحمد واختياري هٰذا. فقوله هذا إشارة إلىٰ النقض لا إلىٰ القتل ولايلزم من عدم النقض عدم القتل... إذ صرحوا قاطبة بأنه يعزر علىٰ ذلك ويؤدب وهو يدل على جواز قتله زجرًا لغيره إذ يجوز الترقي في التعزير إلىٰ القتل إذا عظم موجبه[1]

"علامہ رملی نے لکھا کہ علامہ عینی کی عبارت یہ ہے: "امام شافعی نے فرمایا کہ توہین نبی سے ذمہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی مسلمان کسی نبی کو سب و شتم کرے تو اس کا ایمان جاتا رہتا ہے پھر اگر کوئی ذمی ایسا کرے تو اس کو جو امان اور ذمہ حاصل ہے وہ بطریق اولیٰ جاتا رہے گا۔ یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے اور میں بھی اسی کو یعنی ذمہ ختم ہونے کو اختیار کرتا ہوں۔" علامہ رملی کہتے ہیں... ذمہ نہ ٹوٹنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قتل نہ ہو... کیونکہ تمام فقہا اس کی تصریح کرتے ہیں کہ ذمی کو توہین کرنے پر تعزیر کی جائے گی اور یہ بات اس پر دلیل ہے کہ دوسروں کو زجر کرنے کے لیے مجرم کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ جب جرم بڑا ہو تو تعزیر میں قتل بھی شامل

1 البحر الرائق حاشیہ: ۱۱۵/۵

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتا ہے۔"

③ ابن ہمام

قال والذي عندي أن سبه عليه الصلاة والسلام أو نسبة مالا ينبغي إلىٰ الله تعالىٰ إن كان مما لايعتقدونه كنسبة الولد إلى الله تعالىٰ وتقدس عن ذلك إذا أظهره يقتل به وينتقض عهده و إن لم يظهره ولكن عثر عليه وهو يكتمه فلا وهذا لأنه الغاية في التمرد والاستخفاف بالإسلام والمسلمين فلا يكون جاريا علىٰ العقد الذي يدفع عنه القتل وهو أن يكون صاغرًا ذليلا إلىٰ أن قال وهذا البحث منا يوجب أنه إذا استعلى على المسلمين على وجه صار متمردًا عليهم يحل للإمام قتله أو يرجع إلى الذل و الصغار[1]

"ابن ہمام کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ذمی کا نبی ﷺ کی توہین کرنا اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف کسی ناروا بات کی نسبت کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد ہونے کی نسبت کرنا جب وہ اس کو علانیہ کرے تو اس کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا ذمہ ٹوٹ جائے گا۔ اور اگر وہ اس کو اعلانیہ نہ کرے بلکہ چھپا کر کرتا ہو لیکن مسلمانوں کو اس کی اطلاع ہو جائے تو (پہلی دفعہ میں) اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔

یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ ذمی کا نبی ﷺ کو علانیہ سب و شتم کرنا تو سرکشی کا اور اسلام و مسلمین کی توہین کا انتہائی درجہ ہے لہٰذا یہ ذمی اس عہد پر جاری نہ رہے گا جو اس سے قتل کو دور رکھتا ہے اور وہ عہد اس بات کا ہے کہ وہ نیچا اور ذلیل بن کر رہے گا..... ہماری یہ بحث واجب کرتی ہے کہ جب ذمی مسلمانوں پر سرکشی دکھائے تو امام اس کو قتل کر سکتا ہے یا وہ دوبارہ پستی اور ذلت اختیار کر لے۔"

④ شیخ خیر الدین رملی

خیر رملی نے تعزیر کے طور پر قتل کرنے کا فتویٰ دیا جیسا کہ اوپر کی عبارت میں گذرا ہے۔

⑤ مفتی ابو سعود

ان کے دو فتوے ذکر ہوئے:

---

1 رد المحتار: ۳۰۵/۳

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أنه ورد أمر سلطاني بالعمل بقول أئمتنا القائلين بقتله إذا ظهر أنه معتاده و به أفتى.

ثم أفتى في بكر اليهودى قال لبشر النصراني "نبيكم عيسٰى ولد زنا" بأنه يقتل لسبه للأنبياء عليهم الصلاة والسلام

"ایک میں اُنہوں نے ذکر کیا کہ امر سلطانی جاری ہوا ہے کہ جب کسی ذمی کو سب و شتم کرنے کی عادت ہو جائے (جو کہ کم از کم دو دفعہ سے ثابت ہوتی ہے) تو اس کو ہمارے ان ائمہ کے مطابق جو قتل کرنے کو کہتے ہیں، قتل کیا جائے۔

دوسرا فتویٰ یہ ہے کہ یہودی اگر کسی عیسائی کو کہے کہ تمہارے نبی ولد زنا تھے تو انبیاء کی توہین کرنے کی وجہ سے یہودی کو قتل کیا جائے گا۔"

⑥ ابن کمال پاشا

والحق أنه يقتل عندنا إذا أعلن بشتمه عليه الصلاة والسلام

"حق یہ ہے کہ ذمی اگر توہین رسالت اعلانیہ کرے تو اس کو ہمارے نزدیک قتل کیا جائے گا۔"

مذکورہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے یہاں ذمی اگر توہین رسالت کرے تو راجح قول یہ ہے کہ اس کو تعزیر میں سزائے موت دی جائے گی اور اس کی شرط یہ ہے کہ ذمی نے یا تو ایک دفعہ اعلانیہ سب و شتم کیا ہو یا اگر چھپ کر کیا ہو لیکن مسلمانوں نے اس کو سن لیا ہو تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ آئندہ نہ کرے لیکن اگر پھر ایسی بات پیش آئے تو اس وقت ذمی کو تعزیر میں قتل کیا جائے گا۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ

مذکورہ بالا تمام حوالوں میں ذمی کو قتل کرنے کی صرف ایک شرط مذکور ہے:

① عینی نے یہ ذکر کیا کہ جب سبب بڑا ہو تو زجر کے طور پر ذمی مجرم کو قتل کر سکتے ہیں۔

② ابن ہمام نے اظہار یعنی اعلانیہ سب و شتم کرنے کو شرط کہا۔

③ خیر رملی نے کوئی شرط ذکر نہیں کی سوائے اس کے کہ جرم بڑا ہو۔

④ ابو سعود نے سلطانی حکم نامہ میں صرف عادت ہونے کی یعنی تکرار کی شرط ذکر کی جب کہ دوسرے فتوے میں صرف اعلانیہ کا ذکر ہے۔

⑤ ابن کمال باشا نے اعلانیہ کرنے کی شرط ذکر کی۔

⑥ امام طحاوی نے صرف اعادہ کا ذکر کیا ہے، اعلانیہ کا نہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

㉒ امام محمد نے بھی اعلانیہ کرنے کی شرط ذکر کی۔

مذکورہ حوالوں سے معلوم ہوا کہ تعزیر کے طور پر قتل کرنے کے لیے ذمی سے توہین رسالت صرف ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے یعنی یا تو اعلانیہ کی ہو یا خفیہ کی ہو تو ایک دفعہ کی تکرار کے ساتھ کی ہو۔

غلطی کہاں ہوئی اور ابن عابدین کو مغالطہ کیا لگا؟

یہ علامہ ابن تیمیہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب الصارم المسلول میں حنفیہ کا موقف بیان کرتے ہوئے اشارۃً دونوں شرطوں کو جمع کر دیا اور اُن سے ابن عابدین نے اس کو لے کر صراحت سے کئی جگہوں پر ذکر کیا جس سے عمار صاحب سمیت عام طور سے پڑھنے والے دونوں شرطوں کے مجموعہ کو حنفیہ کے نزدیک شرط سمجھنے لگے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وأما أبو حنيفة وأصحابه فقالوا لاينتقض العهد بالسب ولا يقتل الذمي بذلك لكن يعزر علىٰ اظهار ذلك كما يعزر علىٰ إظهار المنكرات التي ليس لهم فعلها كإظهار أصواتهم بكتابهم ونحو ذلك... ومن أصولهم أن ما لا قتل فيه عندهم مثل القتل بالمثقل والجماع في غير القُبل إذا تكرّر فللإمام أن يقتل فاعله... و كان حاصله أن له أن يعزر بالقتل في الجرائم التى تعظمت بالتكرار وشرع القتل في جنسها ولهٰذا أفتى أكثرهم بقتل من أكثر من سب النبي ﷺ من أهل الذمة و أن أسلم بعد أخذه[1]

"امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ سب و شتم سے معاہدہ نہیں ٹوٹتا اور ایسا کرنے پر ذمی کو قتل نہ کیا جائے، البتہ اس کے اظہار (یعنی اعلانیہ کرنے) پر اس کو تعزیر کی جائے گی جیسا کہ دوسرے منکرات کے اظہار پر جن کو کرنے کی ذمی کو اجازت نہیں ہے جیسا کہ ذمیوں کی اپنی دینی کتاب کو آواز سے پڑھنا وغیرہ... اور حنفیہ کے اُصولوں میں سے ایک اصول و ضابطہ یہ ہے کہ جن جرائم پر قتل کی سزا نہیں ہے جیسے کسی بھاری چیز سے قتل کرنا یا لواطت کرنا جب مجرم ان جرائم کو بہ تکرار کرے تو امام اس کے مرتکب کو قتل کر سکتا ہے... اس ضابطہ کا حاصل یہ ہے

1 الصارم المسلول: ص ۱۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ جرائم جو تکرار سے بڑے بن جاتے ہیں اور جن کی جنس میں قتل کی سزا ہے تو ان کے مرتکب کو حاکم تعزیر میں قتل کر سکتا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو ذمی بار بار توہین رسالت کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا، اگرچہ پکڑے جانے کے بعد وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو جائے۔"

ابن تیمیہ نے ایک تو اظہار یعنی اعلانیہ سب و شتم کرنے کی شرط ذکر کی، اور دوسرے حنفیہ کا ایک اُصول ذکر کیا جس کی رو سے تعزیری قتل اس وقت آتا ہے جب تکرار کی وجہ سے جرم بڑا ہو جائے۔ ابن تیمیہ نے واضح طور پر دونوں شرطوں کو جمع نہیں کیا اور نہ ہی یہ بتایا کہ تکرار و اکثار میں دو مرتبہ بھی شامل ہے یا نہیں اور نہ ہی اس بارے میں حنفی فقہا کا کوئی حوالہ ایسا ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا کہ سب النبی ﷺ میں حنفی فقہا نے دونوں شرطوں کو جمع کر کے حکم نکالا ہو، لیکن ابن عابدین نے غلطی کھاتے ہوئے ان کی بات سے یہی اخذ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فلا ينبغي لمسلم التوقف في قتله وإن تاب لكن بشرط تكرر ذلك منه و تجاهره به كما علمته مما نقلنا عن الحافظ ابن تيمية عن أكثر الحنفية ومما نقلناه عن المفتي أبي السعود[1]

"ایسے شخص کو قتل کرنے کے بارے میں کسی مسلمان کے لائق نہیں کہ وہ توقف کرے لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے یہ جرم بہ تکرار اور لوگوں کے سامنے اعلانیہ کیا ہو جیسا کہ ہم نے حافظ ابن تیمیہ کے حوالے سے اکثر احناف کا موقف اور اس کے علاوہ مفتی ابو سعود کا فتویٰ نقل کیا ہے (حالانکہ مفتی ابو سعود نے سلطانی حکم نامہ نقل کیا، اس میں تکرار کا ذکر ہے، اعلانیہ کا نہیں اور ان کے اپنے فتوے میں اعلانیہ کا ذکر ہے، تکرار کا نہیں)۔"

ابن عابدین کی اس بات کو فتح المبین کے مصنف مولانا محمد منصور علی مراد آبادی نے بھی لیا جیسا کہ اُنہوں نے اپنی کتاب میں ردّ المحتار کا حوالہ دیا ہے۔ عمار خان صاحب نے وہاں سے اس طرح نقل کیا:

"حدیث میں کانت تشتِم کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو مکرر سب و شتم واقع

1 رسائل ابن عابدین: ۱/۳۵۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو اور عادت ہو جائے تو اس کو قتل کرنا چاہیے... پس لفظِ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک مکرر نہ ہو تو قتل نہ کرنا چاہیے۔ سو امام صاحب بھی اس کے مخالف نہیں کہتے... معلوم ہوا کہ امام صاحب کا قول مطابق حدیث کے ہے اور حدیث میں عادت اور کثرت کی وجہ سے قتل ہے سو اس کا امام صاحب انکار نہیں کرتے۔ امام صاحب غیر معتاد (جس کی عادت نہ ہو) کے واسطے یہ حکم بیان کرتے ہیں کہ قتل نہ کیا جائے... چنانچہ ردّ المحتار میں ہے کہ اُصول حنفیہ میں سے یہ امر ہے کہ جس چیز میں حنفیہ کے نزدیک قتل مقرر نہیں، جس وقت وہ فعل مکرر ہو پس چاہئے امام کو کہ اس کے کرنے والے کو قتل کرے۔"[1]

ابن تیمیہ کے کلام میں کچھ اور بھی دو فروگذاشتیں ہیں:

① ابن تیمیہ نے امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں کہا کہ ان کے نزدیک سبّ وشتم کے اظہار و اعلان پر قتل سے خالی تعزیر ہے حالانکہ امام محمد کے بارے میں گزرا ہے کہ وہ ایک مرتبہ اعلانیہ سبّ وشتم کی صورت میں تعزیر بالقتل کے قائل ہیں۔

② ابن تیمیہ نے لکھا کہ بہت سے حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو ذمی بار بار توہین رسالت کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا، ابن تیمیہ نے اس کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا۔ ابن تیمیہ کے یہ الفاظ ہیں: من أكثر من سبّ النبي ﷺ یعنی جو سب وشتم بہت زیادہ کرے یا بہت مرتبہ کرے، ابن تیمیہ نے اس کا بھی حوالہ نہیں دیا۔

بہت مرتبہ یا بار بار کرنے سے کوئی خاص عدد مراد ہے یا نہیں؟ اگر کوئی خاص عدد مراد ہے تو وہ کونسا ہے؟ اور اگر کوئی خاص عدد مراد نہیں ہے تو پھر یہ کون طے کرے گا کہ اکثار پایا گیا یا نہیں؟ اگرچہ اس کو حاکم کی رائے پر چھوڑا جاتا ہے لیکن جب حاکم میں اس کو جانچنے کی صلاحیت نہ ہو یا وہ متعین قانون کی شکل میں اس کو نافذ کرے یا پارلیمنٹ قابل تعزیر توہین رسالت کی تعریف کرے اور قانون بنائے تو وہ کس عدد پر بنا کرے گی؟

عمار خان صاحب اس کا معیار تو یہ بتاتے ہیں:

"جب کہ مجرم سبّ وشتم کا اعلانیہ اظہار کرے اور اس کو ایک روش کے طور پر اختیار کرلے۔"

---

1 توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۵۸، ۵۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ معیار بھی مبہم ہے کیونکہ دو مرتبہ سے روش تو نہیں بنتی، اور دو سے اوپر جتنے بھی عدد ہیں وہ بلا مزاحم نہیں ہیں۔ کوئی تین مرتبہ سے روش کہے گا اور کوئی چھ مرتبہ پر بھی روش کے اطلاق سے پس و پیش کرے گا۔ عمار خان صاحب تو اس پر بھی خوش ہیں کہ قانون میں ابہام پیدا کر دیا جائے جس سے وہ بے اثر ہو کر رہ جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی ذمی از خود لوگوں کے سامنے اعلانیہ توہین رسالت کرے تو یہ ایک دفعہ کرنا ہی اس کی بڑی سرکشی ہے جس کی اجازت معاہدہ ذمہ میں ذمی کو حاصل نہیں۔ تمرّد و سرکشی کے لیے ایک دفعہ کی توہین رسالت کافی ہے، بار بار کرنے کی گنجائش کیوں رکھی جائے۔ اس صورت میں عادت ہونے یا بہ تکرار کرنے کا محل اعلانیہ توہین نہیں بلکہ خفیہ توہین ہے لیکن انتظام میں کچھ کوتاہی کی بنا پر ذمی کے مقام کے قریب سے گزرنے والے مسلمان اس کو سن لیتے ہیں۔ چونکہ ذمی اس کو خفیہ کرنا چاہتا تھا اس لیے اس میں سرکشی و تمرد کی کمی ہے، اس لیے پہلی دفعہ میں اس کو قتل نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو تنبیہ کی جائے گی کہ آئندہ نہ کرنا ورنہ تم قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس تنبیہ کے بعد بھی پھر دوبارہ اس ناقص خفیہ طریقے سے توہین رسالت کرے تو اس کی سرکشی ثابت ہونے میں کچھ کمی نہیں رہی اور وہ سزائے قتل کا مستحق بن گیا۔

دو دفعہ کے ہونے سے تکرار ثابت ہوتی ہے:

ولا يحد عند الإمام إلا إذا تكرر فيقتل علىٰ المفتى به... قال البيری والظاهر أنه يقتل في المرة الثانية لصدق التكرار عليه[1]

”پاخانے کی جگہ میں وطی کرنے کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے۔ البتہ اگر وہ دوبارہ ایسا کرے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس کو قتل کیا جائے گا.... علامہ بیری کہتے ہیں کہ ظاہر بات یہ ہے کہ دوسری مرتبہ میں اس کو قتل کیا جائے گا کیونکہ دو دفعہ پر تکرار کا معنی صادق آتا ہے۔“

ذمّی نبی ﷺ پر سبّ و شتم کرے تو اس کی تعزیر میں اصل قتل ہے!

اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں جو عمار خان صاحب ہی کے ذکر کردہ ہیں:

۱ رد المحتار: ۴/۱۷۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مستند روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی سزا موت بیان فرمائی۔ تاہم ان کے فیصلوں سے واضح ہے کہ وہ اسے حد نہیں سمجھتے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر بعض خواتین نے خوشی کے اظہار کے لیے دف بجائے تو سیدنا ابو بکرؓ نے صرف اُن کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ اسی طرح ان کے عہد میں مہاجر بن ابی اُمیہ کے سامنے ایک عورت کو پیش کیا گیا جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہجویہ اشعار گائے تھے۔ اُنہوں نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا اور ایک دانت اُکھاڑ دیا۔ سیدنا ابو بکر کو خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ فیصلہ نافذ نہ کر چکے ہوتے تو میں تمہیں اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیتا کیونکہ انبیا کی توہین کی سزا عام سزاؤں کی طرح نہیں ہے۔[1]

② امام موسیٰ کاظم روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کے عامل زیاد بن عبید اللہ کے دور میں اس نوعیت کا ایک واقعہ پیش آیا اور اس نے مدینہ کے فقہا سے رائے طلب کی تو... امام جعفر صادق نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے مابین فرق ہونا چاہئے چنانچہ ان کی رائے کے مطابق مجرم کو قتل کر دیا گیا۔[2]

مذکورہ بالا دونوں حوالوں میں دلیل یہ ضابطہ ہے کہ توہین رسالت کی سزا توہین صحابہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔ توہین صحابہ کی سزا قتل سے کمتر ہے تو توہین رسالت کی سزا قتل ہونی چاہیے۔

③ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی لونڈی جو اس کے بچوں کی ماں بھی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتی اور آپ کی توہین کیا کرتی تھی اور اپنے مالک کے منع کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود اس سے باز نہیں آتی تھی۔ ایک دن اسی بات پر اس نے اشتعال میں آکر اسے قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے اس کو بلا کر پوچھ گچھ کی اور پھر اس کی وضاحت سننے کے بعد فرمایا کہ «ألا اشهدوا أن دمها هدر» یعنی گواہ رہو کہ اس عورت کا خون رائیگاں ہے۔[3]

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۹۱
۲ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۲۴
۳ ایضاً: ص ۱۰، ۱۱

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

④ عمیر بن اُمیہ کی بہن مشرک تھی اور اس نے نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی کے بارے میں سب وشتم کر کے عمیر کو اذیت پہنچانے کو ایک دینار بنا رکھا تھا۔ اس کے اس رویے سے تنگ آ کر ایک دن عمیر نے اسے قتل کر دیا..... نبی ﷺ نے صورتِ حال معلوم ہونے کے بعد اس عورت کے خون کو رائیگاں قرار دے دیا۔[1]

اگر ذمی کے سب وشتم پر تعزیر میں اصل سزا قتل کی نہ ہوتی تو احتمال تھا کہ مذکورہ بالا دو واقعات میں قاتلین سے باز پرس ہوتی اور ان سے کہا جاتا کہ تم کچھ اور صبر کرتے یا کچھ ہلکی سزا دیتے شاید کہ اُن کو توفیق ہوتی اور وہ مسلمان ہو جاتیں اور تمہارا ان کو قتل کرنا حکمت و مصلحت کے خلاف تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ ان کے اقدام قتل کو روا رکھا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی سزا قتل ہی بنتی تھی جو کہ دی گئی۔

⑤ حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس ایک راہب کو لایا گیا اور اُنہیں بتایا گیا کہ یہ نبی ﷺ کو برا بھلا کہتا ہے۔ ابن عمر نے کہا کہ اگر میں اس کی زبان سے سن لیتا تو اسے قتل کر دیتا۔[2]

مذکورہ بالا واقعات سے دو باتیں سامنے آئیں :

رسول اللہ ﷺ پر سب وشتم کرنے والے ذمی کی تعزیر میں اصل قتل ہے۔ اگر کسی نے اس کو موت سے کمتر سزا دی تو چونکہ قتل بھی تعزیر کے طور پر ہے، اس لیے جب ایک دفعہ کمتر تعزیر کر دی گئی تو اب دوبارہ اس کو تعزیر نہ کریں گے۔

تعزیر کا اجرا جیسے حکومت کر سکتی ہے، اسی طرح کوئی دوسرا بھی کرے تو جائز ہے۔

تعزیر کون کر سکتا ہے؟

یاد رہے کہ عمار خان صاحب کا موقف ہے کہ تعزیر صرف حکومت کر سکتی ہے۔ عمار خان صاحب نے ہماری ذکر کردہ دوسری بات کے برعکس اپنی کتاب میں ایک پورا باب باندھا ہے اور اس کا عنوان رکھا ہے: سزا کے نفاذ کا اختیار[3]

عمار خان اس میں مولانا سرفراز خان کی کتاب ذخیرۃ الجنان کا یہ اقتباس نقل کیا:

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۱۱
۲ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۲۲
۳ ایضاً: ص ۹۱۔۱۰۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حدود و تعزیرات کے جتنے بھی احکام ہیں یہ افراد کے لیے نہیں ہیں... عام آدمی میں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ چور کو پکڑ کر اُس کے ہاتھ کاٹ دے۔ غیر شادی شدہ مرد و عورت زنا کریں تو اُن کو کوڑے مارنے کا حکم قرآن میں مذکور ہے، مگر حکومت کے بغیر کسی کو حق نہیں کہ وہ کوڑے مارے، یہ حکومت کا کام ہے۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے لڑنا انفرادی کام نہیں ہے، یہ اجتماعی طور پر حکومت کا کام ہے... تمہیں زبان سے سمجھانے کا حق ہے۔"

"اگر تمہیں اللہ تعالیٰ نے ہاتھ سے روکنے کی طاقت عطا فرمائی ہے، تمہارے پاس کوئی منصب ہے تو روکو کیونکہ ہاتھ سے تو حکمران ہی روک سکتے ہیں، عام آدمی تو ہاتھ سے نہیں روک سکتا..."[1]

اس اقتباس کے بعد عمار صاحب لکھتے ہیں:

"اس اُصول کے مطابق توہین رسالت کی سزا کے نفاذ پر بھی وہ تمام قیود و شرائط لاگو ہوتے ہیں جن کا اطلاق دوسری شرعی سزاؤں (یعنی حدود و قصاص) پر ہوتا ہے۔ چنانچہ کوئی شخص یا گروہ اپنی انفرادی حیثیت میں توہین رسالت کے مجرم کے لیے سزا کا اعلان کرنے یا اُسے سزا دینے کا مجاز نہیں ہے اور دوسرے تمام جرائم کی طرح یہاں بھی جرم کے اثبات اور مجرم کو سزا دینے کے لیے باقاعدہ عدالتی کارروائی ضروری ہے۔"[2]

پیچھے ذکر کردہ بعض واقعات سے مختلف تاثر سامنے آتا ہے، اس لیے عمار صاحب ان کی توجیہ کرتے ہیں:

"ان واقعات میں جن مخصوص پہلوؤں کو اس رعایت کا موجب کہا جا سکتا ہے وہ تین ہیں: ایک تو یہ کہ یہاں جرم کے تحقق اور ثبوت کے معاملے میں کوئی خفا یا شبہ نہیں تھا۔ روایت میں جس اُسلوب سے ان کا جرم بیان کیا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل عمومی طور پر معلوم و معروف تھا یعنی ایسا نہیں تھا کہ جرم کا افشا یا اس کا ثبوت محض قاتل کے بیان پر منحصر تھا اور اس کے علاوہ اس کا کوئی ثبوت

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۹۷، ۹۸
۲ ایضاً: ص ۹۸

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میسر نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ اُن میں جرم کو ایک معمول اور عادت بنا لینے والے مجرموں کا ذکر ہوا ہے جو جان بوجھ کر اور قصداً اشتعال پیدا کر رہے تھے اور مسلسل تنبیہ کے باوجود ایسا کرنے سے باز نہیں آ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر معمولی صورتِ حال ہے۔

تیسرے یہ کہ یہاں جن افراد نے مجرموں کو قتل کیا تھا، اُنہوں نے غیر معمولی جذبۂ ایمانی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے عزیز ترین قرابت داروں کو پیغمبر ﷺ کی حرمت وناموس پر قربان کر دیا تھا۔"[1]

ان تینوں وجوہ کو سامنے رکھا جائے تو واضح ہو گا کہ جرم کی سنگین نوعیت اور اس کے وقوع کے بالکل قطعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے یہاں مجرم اُصولی طور پر مباح الدم ہو چکے تھے اور اس کے بعد اگر کسی نے اُنہیں قتل کر دیا تو زیادہ سے زیادہ اسے کوئی تعزیری اور تادیبی سزا دی جا سکتی تھی لیکن چونکہ جان لینے والے افراد نے یہ قدم نبی ﷺ کی محبت میں اُٹھایا تھا اور اس کے لیے بہن اور بیوی جیسے رشتوں تک کو قربان کر دیا تھا، اس لیے اُن کی اس غیر معمولی غیرت و حمیت کے پیش نظر نبی ﷺ نے اُنہیں اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز پر کوئی سزا دینا مناسب نہیں سمجھا۔ چنانچہ ان واقعات سے اگر کوئی قانونی نکتہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ اگر مقتول کا جرم ثابت ہو اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے واقعتاً قتل کی سزا کا مستوجب ہو تو قاتل کو مخصوص صورتحال کی رعایت سے سزا سے بری کیا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ کسی طرح اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی شخص کو قانون اور عدالت سے ماورا ایسے قضیے خود نمٹانے کی اجازت حاصل ہے۔"[2]

ہم کہتے ہیں کہ تعزیر صرف حاکم ہی نہیں، کوئی دوسرا بھی مجرم کو ارتکابِ جرم کی حالت میں نہی عن المنکر کے طور پر کر سکتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

① علامہ ابن عابدین نے حد اور تعزیر کے درمیان فرق کرتے ہوئے جو نکات ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

وزاد بعض المتأخرین أن الحد مختص بالإمام والتعزیر یفعله

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۱۰۱، ۱۰۲

۲ ایضاً: ص ۱۰۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الزوج والمولى و كل من رأى أحدًا يباشر المعصية[1]

"بعض متاخرین نے حد اور تعزیر کے درمیان اس فرق کا اضافہ کیا ہے کہ حد کا اجرا صرف حکومت ہی کر سکتی ہے جب کہ تعزیر کو شوہر، مالک اور ہر وہ شخص جاری کر سکتا ہے جو کسی کو برائی کا ارتکاب کرتے دیکھے (یہ حنفیہ کے یہاں اس پر محمول نہیں ہے کہ حاکم نے شوہر و مالک کو تعزیر کرنے کا اختیار دیا ہو بلکہ یہ نہی عن المنکر پر محمول ہے۔)

② علامہ ابن عابدین مزید لکھتے ہیں:

لو رأى رجلا يزني بامرأته أو امرأة آخر وهو محصن فصاح به فلم يهرب ولم يمتنع عن الزنا حلّ له قتله ولا قصاص عليه[2]

"زید نے اگر ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس کی بیوی کے ساتھ یا کسی اور کی عورت کے ساتھ زنا کر رہا ہے حالانکہ وہ محصن ہے اور زید نے اُس کو للکارا لیکن مجرم نہ تو بھاگا اور نہ زنا کرنے سے باز آیا تو زید اس کو قتل کر سکتا ہے اور زید پر قصاص نہ ہوگا۔"

تنبيه: قال في النهر و رده ابن وهبان بأنه ليس من الحد بل من الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر[3]

"محصن ہونے کی شرط کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ قتل زنا کی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طور پر ہے۔"

③ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

رجل رأى رجلا مع امرأته يزني بها أو يقبلها أو يضمها إلىٰ نفسه وهي مطاوعة فقتله أو قتلهما لاضمان عليه ولا يحرم من ميراثها إن أثبته بالبينة أو بالإقرار. ولو رأى رجلا مع امرأته في مفازة خالية أو رآه مع محارمه هٰكذا ولم ير منه الزنا ودَواعيه قال بعض المشائخ حل قتلهما وقال بعضهم: لا يحل حتى يرى منه العمل أي الزنا ودَواعيه[4]

---

۱ رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر

۲ رد المحتار: ۴/۱۹۷

۳ رد المحتار: کتاب الحدود، باب التعزیر

۴ رد المحتار: ۴/۱۹۷

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"زید نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس (یعنی زید) کی بیوی کے ساتھ زنا کر رہا ہے یا اس کا بوسہ لے رہا ہے یا اُس کو اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے ہے اور عورت اس پر راضی ہے تو زید اس شخص کو قتل کر سکتا ہے اور دونوں کو بھی قتل کر سکتا ہے اور زید پر کچھ تاوان نہ آئے گا اور نہ ہی وہ اپنی بیوی کی میراث سے محروم ہو گا جب کہ وہ اس واقعہ کے ثبوت پیش کر دے یا مجرم کا اقرار ثابت کر دے (اقرار کی صورت یہ ہے کہ مجرم پہلے بھی ایسی حرکت کر چکا ہو اور کچھ لوگوں کے سامنے اقرار کر چکا ہو لیکن زید کے مشاہدہ میں نہ آیا ہو۔) اور اگر زید نے ایک ویران جنگل میں ایک شخص کے ساتھ اپنی بیوی یا اپنی کسی محرم کو دیکھا لیکن ان کو زنا یا دواعی زنا کرتے نہ دیکھا تو بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ زید اُن دونوں کو قتل کر سکتا ہے جب کہ دوسروں کا کہنا ہے کہ جب تک زید ان کو زنا یا دواعی زنا میں مبتلا نہ پائے ان کو قتل نہیں کر سکتا۔"

علامہ حصکفی درّ مختار میں لکھتے ہیں:

وعلیٰ هذا القياس المكابر بالظلم وقطاع الطريق وصاحب المكس وجميع الظلمة بأدنى شيء له قيمة وجميع الكبائر والأعونة والسعاة يباح قتل الكل ويُثاب قاتلهم[1]

"بدکاری کی مذکورہ صورت پر قتل کرنے کی مثل ان لوگوں کو قتل کرنا بھی ہے جو زور وزبردستی کی وجہ سے ظلم کرتے ہوں اور جو رہزنی کرتے ہوں اور جو زبردستی کا ٹیکس وصول کرتے ہوں اور جو ذرا سی قیمت والی چیزوں کی وجہ سے ظلم کرتے ہوں اور جو کبائر کے مرتکب ہوں اور جو حکمرانوں کے پاس جا کر لوگوں کی جھوٹی سچی چغلیاں کرتے ہوں اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہوں۔ ان کا قتل مباح ہے اور قاتل کو اس پر ثواب ملتا ہے۔"

اوپر کے واقعات میں جس شخص نے توہین رسالت پر اپنی بہن یا باندی کو قتل کیا، عمار صاحب کے ذکر کردہ ضابطہ کے مطابق کہ تعزیر کا حق صرف حاکم کو ہے، خود ان کے خلاف بہت کچھ کلام ہو سکتا ہے مثلاً:

① ان قاتلین کے بارے میں نبی ﷺ سے یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو قتل

[1] کتاب الحدود، باب التعزیر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے سے پہلے آپ سے رجوع نہ کرنے پر کوئی تنبیہ کی ہو۔

② عمار صاحب کی کتاب کے ص ۱۰۱ پر مذکور باندی اور بہن کے واقعات میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جو اس پر دلیل ہو کہ مجرم عورت علانیہ سب وشتم کرتی تھی۔

③ ان دو حضرات نے مشتعل ہو کر قتل کیا حالانکہ سب وشتم کا واقعہ پہلی مرتبہ کا نہیں تھا اور وہ حضرات نبی ﷺ کی خدمت میں آکر پہلے آپ سے اس کا تذکرہ کر سکتے تھے۔ قوی احتمال ہے کہ آپ ﷺ ان کو کوئی مناسب مشورہ دیتے جس سے ان مقتولین کی دنیا وآخرت دونوں بن جاتیں۔ صرف ایک عصماء بنت مروان جو بنو خطمہ کی عورت تھی اس کے بارے میں ہے کہ وہ انتہائی توہین آمیز اشعار کہتی تھی اور نبی ﷺ کی ذات اور اسلام پر طعنہ زنی کرتی تھی اور لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتی تھی۔ اس کو عمیر بن عدی نے قتل کر دیا تھا جو اُسی کی قوم میں سے تھے۔

اس کے برعکس عمار خان صاحب کہتے ہیں کہ ان مقتول عورتوں کا طرزِ عمل معلوم ومعروف تھا یعنی پبلک میں علانیہ تھا اور جرم کو عادت بنالیا تھا اور منع کرنے کے باوجود باز نہیں آئیں، اس سے وہ مباح الدم ہو چکی تھیں اور ایک غیر معمولی صورتحال بن چکی تھی۔ ان حضرات کا ان عورتوں کو خود قتل کرنا ضابطہ کی رو سے تو جائز نہیں تھا لیکن مباح الدم ہونے کی وجہ سے اور اس قرینہ سے کہ مقتول عورتیں قاتلوں کے تعلق والی اور رشتہ دار تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ماورائے عدالت کارروائی کرنے پر کوئی سزا نہیں دی۔

لیکن دوسری طرف خود عمار خان صاحب نے چند اور ایسے واقعات ذکر کئے ہیں جو ان کے فلسفہ اور فکر سے مطابقت نہیں رکھتے مثلاً:

① عرفہ بن حارث کندی کے پاس سے ایک نصرانی گذرا۔ اُنہوں نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اُس نے غصے میں آکر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کر دی۔ اس پر عرفہ نے زور سے مکہ مار کر اس کی ناک توڑ دی۔ معاملہ عمرو بن العاص کے سامنے پیش کیا گیا تو اُنہوں نے عرفہ سے کہا کہ ہم نے تو ان کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا ہے۔ عرفہ نے کہا کہ اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم نے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شان میں کھلم کھلا گستاخی کی اجازت دینے پر معاہدہ کیا ہو۔ عمرو بن العاص نے بھی ان کی بات سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اتفاق کیا۔[1]

اس قصہ میں عرفہ بن حارث نے ماورائے عدالت مجرم کو مکا مار کر اس کی ناک توڑ دی۔ اس وقت اس جگہ کے حاکم عمرو بن عاص کے پاس جب مقدمہ لایا گیا تو انہوں نے عرفہ کو یہ نہیں کہا کہ تم نے از خود یہ اقدام کیوں کیا۔ اب جو تم اس کو میرے پاس لائے ہو، پہلے کیوں نہیں لائے تھے۔

② ایک موقع پر ابن یامین نضری نے محمد بن مسلمہ کے سامنے سیدنا معاویہ (اور ایک روایت کے مطابق مروان بن الحکم) کی مجلس میں یہ کہہ دیا کہ یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کے سردار کعب بن اشرف کو بدعہدی کرتے ہوئے قتل کیا گیا تھا۔ اس پر محمد بن مسلمہ نے (جنہوں نے نبی ﷺ کے کہنے پر کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا) سیدنا معاویہ یا مروان بن الحکم سے کہا کہ آپ کی مجلس میں نبی ﷺ کی طرف بدعہدی کرنے کی نسبت کی جا رہی ہے اور آپ اس پر کوئی انکار نہیں کر رہے۔ پھر انہوں نے ابن یامین کو دھمکی دی کہ میں تمہارے ساتھ کسی مجلس میں نہیں بیٹھوں گا اور اگر کہیں تم مجھے تنہا مل گئے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اس کے بعد ایک موقع پر ابن یامین ان کے قابو میں آ گیا تو انہوں نے چھڑیوں سے اس کی خوب پٹائی کی اور کہا کہ میرے پاس اس وقت تلوار ہوتی تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔[2]

اس واقعہ میں حاکم کی مجلس میں محمد بن مسلمہ نے معاملہ کو حاکم پر نہیں چھوڑا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ حاکم نے توجہ دلائے جانے کے باوجود اس لیے تعزیر نہ کی ہو کہ اس میں کوئی مصلحت سمجھی ہو۔ محمد بن مسلمہ نے یہ دیکھ کر کہ قابل تعزیر فعل پر حاکم نے کچھ بھی تعزیر نہیں کی، نہ جسمانی نہ کلامی (یعنی ڈانٹ ڈپٹ) تو انہوں نے حاکم کی مجلس ہی میں اسے قتل کرنے کی دھمکی دی اور بعد میں موقع پانے پر اس کی خوب پٹائی کی۔ اور ساتھ میں یہ بھی کہا (کہ چونکہ توہین کی تعزیر میں اصل قتل ہے، اس لیے) میرے پاس اس وقت تلوار ہوتی تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ حاکم نے ان پر کوئی نکیر نہیں کی اور نہ ہی ان کے خلاف توہین عدالت کا

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۲۳

۲ توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۲۳، ۲۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ لگایا جس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ حاکم کو بھی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اس نے قابل تعزیر فعل پر کچھ تعزیر نہ کر کے غلطی کی تھی جو کہ حضرت معاویہؓ کے حاکم ہونے کی صورت میں اجتہادی تھی کیونکہ وہ فقیہ تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی ذمی رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک تو وہ واجب القتل ہے ہی الا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی وہ واجب التعزیر ہے اور تعزیر میں بھی فوقیت قتل کو ہے۔ البتہ اگر کوئی حاکم اس کو کم سزا دے تو اس کا بھی تحمل کیا جائے گا بشرطیکہ مجرم نے اعلانیہ گستاخی نہ کی ہو، چھپا کر کی ہو۔

تعزیر کرنے کا حق عدالت کو تو ہے ہی، کوئی اور بھی اگر مجرم کو تعزیر میں قتل کر دے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ جب مسلمانوں کی حکومت اور عدالت سزا دینا تو درکنار مجرم کی، کافروں کی اور بد دینوں کی پشت پناہی کر رہی ہوں تو اس وقت عام لوگ اگر توہین رسالت کے واقعی مجرم کو خود قتل کر دیں تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ نہی عن المنکر کے تحت ثواب کا کام بھی ہے جیسا کہ محمد بن مسلمہ اور ابن یامین نضری کے قصہ سے معلوم ہوا۔

یہاں کوئی یہ اعتراض کرے کہ نہی عن المنکر کے طور پر کوئی دوسرا جرم کے ارتکاب کی حالت میں ہی تعزیر کر سکتا ہے بعد میں نہیں تو محمد بن مسلمہ نے بعد میں کیسے کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ نے ابن یامین کی بات کو توہین رسالت پر محمول کیا اور وہ واجب التعزیر فعل تھا۔ جب حاکم نے اس کو تعزیر نہ کی تو محمد بن مسلمہ نے خود تعزیر کی۔ غرض یہ تھی کہ توہین رسالت کا جرم تعزیر سے خالی نہ رہنا چاہیے۔

تنبیہ ۱: یہاں یہ نکتہ اُٹھایا جا سکتا ہے کہ اس طرح سے کوئی توہین رسالت کے قانون کو غلط استعمال کر سکتا ہے اور کسی سے اپنی دشمنی نکال کر یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ مقتول نے اس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی جس سے مشتعل ہو کر اس نے مجرم کو قتل کر دیا یا کچھ لوگوں نے شور مچا دیا کہ فلاں نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے اور قاتل نے لوگوں کو سچا سمجھ کر بلا تحقیق اس کو قتل کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ نہیں کہا کہ جو کوئی مقتول یا مضروب کے خلاف توہین

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسالت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ ضرور سچا ہو گا بلکہ تحقیق کی جائے گی اور اگر ثابت ہو کہ قاتل یا ضارب کا دعویٰ جھوٹا تھا اور اُس نے اس قانون کی آڑ میں اپنی دشمنی نکالی ہے تو اس کو اس کے مطابق سزا دی جائے گی۔ بہن اور باندی کے قتل کے جو قصے گذرے ان میں بھی ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قاتلین سے تحقیق کی تھی۔ علاوہ ازیں یہ بھی ضروری ہے کہ جو واقعی مجرم ہے اس کو سزا دینے میں حکومت اور عدالت لیت و لعل سے کام نہ لے تاکہ لوگ ان سے مایوس ہو کر از خود قتل کا اقدام نہ کرنے لگیں۔

تنبیہ ۲: توہین رسالت پر سزائے قتل کے قانون کو کسی مسلمان کا برا کہنا اس کو بھی توہین رسالت لازم ہے کیونکہ جس قانون کی بنیاد شرعی دلیل ہو اور اس سے لوگوں کو زجر ہو اور جس پر رسول اللہ ﷺ نے عمل کرایا ہو اور صحابہ نے عمل کیا ہو، اس کی توہین کرنا ایک تو شریعت کے حکم و قانون کی توہین کرنا ہے جو خود کفر کی بات ہے اور دوسرے یہ کہنے کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ کہنے والا توہین رسالت کے سدباب کو پسند نہیں کرتا اور چاہتا ہے کہ صاحبِ رسالت کی شان میں لوگوں کو جو وہ چاہیں کہنے کی آزادی ہو۔ یہ بھی ایک بڑی خرابی ہے اور اس کی اجازت نہ کسی مسلمان کو ہے نہ کسی کافر کو۔

عمار خان صاحب کے استدلال کا جواب: عمار خان نے اپنے مدعا یعنی سزا کے نفاذ کا اختیار حاکم تک محدود کرنے میں مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

> ”جب زنا کا جرم ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرنے کا قانون نازل ہوا تو سعد بن عبادہ نے کہا کہ میں تو اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو دیکھوں گا تو سیدھی تلوار کے ساتھ وار کر کے اس کا کام تمام کر دوں گا۔ یہ تبصرہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: تم سعد کی غیرت پر تعجب کرتے ہو، بخدا میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ اس نے غیرت ہی کی وجہ سے بے حیائی کے کھلے اور چھپے کاموں کو حرام کیا ہے، لیکن بات یہ ہے اللہ سے بڑھ کر کسی کو یہ بات پسند نہیں کہ مجرم کو صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔“ [1]

جواب: اس حدیث کی متعدد صورتیں بن سکتی ہیں:

---

۱ توہین رسالت کا مسئلہ: ص: ۹۲

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

① اجنبی مرد و عورت دونوں قریب بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں لیکن کوئی ناجائز حرکت میں مبتلا نہ ہوں۔ ایسی صورت میں مرد و عورت کو اپنا عذر پیش کرنے کا موقع ملنا چاہیے اور شوہر کو چاہیے کہ وہ پاس پڑوس سے مدد لے کر غیر مرد کو پکڑ کر عدالت میں لے جائے یا حاکم کے پاس پیش کرے۔ دوسرے لفظوں میں وہ ان کو تھانے میں پیش کرے۔ اس کی وجہ یہ احتمال ہے کہ مجرم نے عورت کو مجبور کیا ہو۔

② دونوں قابل اعتراض حالت میں ہوں یعنی جماع کی حالت میں ہوں یا مرد عورت کو اپنے ساتھ چمٹائے ہوئے ہو اور عورت مزاحمت نہ کر رہی بلکہ اس کی مرضی معلوم ہوتی ہو تو اگر یہ ممکن ہو کہ شوہر اس وقت میں گواہ بنا لے تب تو خود قتل نہ کرے بلکہ ان کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرے اور گواہ گواہی دیں۔

③ اگر شوہر کو خیال ہو کہ جتنی دیر میں وہ گواہ لائے گا اتنی دیر میں مرد مجرم بھاگ چکا ہو گا اور وہ اپنی غیرت کی وجہ سے یا نہی عن المنکر کے جذبے سے دونوں کو قتل کر دے تو عند اللہ وہ مجرم نہ ہو گا بلکہ مستحق ثواب ہو گا لیکن دنیا کی عدالت میں بہر حال اس کو اپنی براءت ثابت کرنے کے لیے گواہ یا دیگر ثبوت پیش کرنے ہوں گے۔ اگر شوہر کے سچے ہونے کے کچھ بھی قرائن نہ ہوں تو شوہر کو قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے یا اس سے دیت لی جا سکتی ہے۔

④ اگر شوہر کی آمد محسوس کر کے مرد کسی طرح سے بھاگ جائے اور عورت موجود ہو تو مرد اس سے لعان کر سکتا ہے۔

عمار خان صاحب کے سابقہ اعتراض کا دوسرا جواب

عمار خان لکھتے ہیں:

"ہمارے ہاں چونکہ ایک خاص جذباتی فضا میں بہت سے حنفی اہل علم بھی فقہ حنفی کے کلاسیکی موقف کو بعض متاخرین کے فتووں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"[1]

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اصل حنفی موقف کے دلائل یہ ہیں:

① متقدمین میں سے امام محمد کا قول پیچھے گذرا ہے کہ جو اعلانیہ توہین رسالت کرے، اسے

1 توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۵۴

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قتل کیا جائے گا۔

② ہمیں متاخرین کا قول حدیث اور عمار خان کے ذکر کردہ واقعات کے زیادہ موافق نظر آیا اس لیے ہم نے اُس کو اختیار کیا اور اس کو اختیار کرنا اگر بے اُصولی ہوتی تو متاخرین وہ قول ہی نہ کرتے۔

③ متاخرین کا قول ہمیں اپنے زمانے کے حالات کے بھی زیادہ موافق نظر آیا ہے۔

④ خود عمار خان صاحب کی بات سے بھی ان کے اعتراض کا جواب نکلتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک ریاست کی سطح پر قانون سازی کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ قانون ساز ادارے ایک فقہی مکتب فکر کی آرا کے پابند نہیں ہیں۔ ایک اجتہادی مسئلے میں اُنہیں پورا حق حاصل ہے کہ وہ دین و شریعت کی جس تعبیر کو زیادہ درست سمجھیں (خواہ وہ کسی بھی فقہی مکتب کی ہو اور خواہ وہ متقدمین کی ہو یا متاخرین کی ہو... عبدالواحد) اسی پر قانون سازی کی بنیاد رکھیں لیکن اس کی وجہ سے نہ تو علمی دائرے میں بحث و مباحثہ پر کوئی قدغن عائد کی جاسکتی ہے اور نہ اس امکان کا دروازہ بند کیا جاسکتا ہے کہ اگر غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے نتیجے میں قانون ساز ادارے کسی دوسری تعبیر کی صحت پر مطمئن ہو جائیں تو پھر وہ اسے قانون کا درجہ دے دیں۔"[1]

قانون سازی کے کیا اُصول ہیں؟ اس وقت ہماری گفتگو کا یہ موضوع نہیں ہے۔ لیکن عمار خان صاحب قانون سازی سے متعلق اپنے ذکر کردہ اُصول (یعنی یہ کہ قانون ساز ادارے ایک فقہی مکتب فکر کی آرا کے پابند نہیں ہیں) کے برخلاف اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے موجودہ حنفی اہل علم کو جمود و تعصب کا سبق پڑھا رہے ہیں کہ تم تو حنفی ہو اور اصلی حنفیت کلاسیکی حنفیت ہے متاخرین کی نہیں لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم اس مسئلے میں کلاسیکی حنفیت پر جمے رہو (امام محمد اگرچہ کلاسیکی فقہاء میں سے ہیں لیکن نہ جانے عمار خان صاحب ان کے قول کو کیوں بھول جاتے ہیں..... عبدالواحد) اور اس سے کچھ انحراف نہ کرو اور متاخرین کے فتووں کی طرف مت جاؤ۔ اگر تم نے متاخرین (اور ائمہ ثلاثہ) کے فتووں کو لیا تو تم نے ان کے پردے میں کلاسیکی حنفیت کو چھپایا اور ان تمام حکمتوں اور مصلحتوں کو قربان کیا جن کی رعایت خود نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی۔

---

1 توہین رسالت کا مسئلہ: ص ۸۹

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمار خان صاحب سے متعلق دو باتیں

پہلی بات: عمار صاحب نے یہ کتاب کافروں اور دین بیزار لوگوں کے لیے لکھی ہے۔ جب جمہوری اُصولوں کے مطابق ایک مسلمان ملک کے مسلمان باشندوں کو بھی اپنے مذہبی جذبات کے تحفظ کے لیے قانون بنانے کا حق حاصل ہے اور مذہبی حقوق کی خلاف ورزی کو جرم قرار دے کر اس کے سدباب کے لیے ان کا سزائے موت مقرر کرنا ہر لحاظ سے جمہوری اُصولوں کے مطابق ہے اور اس سزا کی بہر حال شرعی بنیادیں بھی موجود ہیں اور حالات میں کوئی ایسی تبدیلی بھی نہیں آئی جو خود کسی ترمیم کا تقاضا کرتی ہو اور نہ ملک کے مذہبی وابستگی رکھنے والوں کی طرف سے کسی ترمیم کا مطالبہ ہوا ہو تو عمار خان صاحب ان حالات میں اپنی تحقیق کیوں لائے ہیں؟ یہ ظاہر ہے کہ ملک کے جمہور مسلمانوں کو ان کی تحقیق کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تو حسبِ حال قانون بنا چکے تھے اور اس پر وہ مطمئن بھی تھے۔ پھر ہم ان کی کتاب کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمہور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتی ہے اور موجودہ حالات میں اس کا فائدہ صرف کافروں کو اور دین سے بے زار لوگوں کو ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ عمار خان صاحب کی یہ کتاب جب صرف کافروں اور دین سے بے زار لوگوں کو مفید ہے تو یہ حقیقتاً ان ہی کی خاطر لکھی گئی ہے۔

دوسری بات: عمار خاں ناصر کی حقیقت یہ ہے کہ عمار خان صاحب اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وہ دیکھیں گے کہ وہی معمول کی باتیں کرتے رہو تو لوگوں کی خاطر خواہ توجہ نہیں ملتی لہٰذا کوئی نئی بات کرو جس سے لوگ متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ اصل علم ان کے پاس ہے (دوسرے تو دقیانوسی لوگ ہیں جن کو اس ترقی یافتہ دور میں زندہ رہنے کا حق ہی نہیں اور اگر رہیں تو ذلیل وعاجز ہو کر رہیں۔)

تنبیہ: رہی یہ بات کہ عمار صاحب کی یہ تحریک آئندہ کے غور وفکر میں اور آئندہ کی قانون سازی میں مفید ہو گی تو اوّل تو عمار خان کی ساری تحریک و تبلیغ کا مدار ابن عابدین کی ترجیح پر ہے حالانکہ ابن عابدین کو یہاں ابن تیمیہ کی عبارت سے مغالطہ ہوا ہے۔ جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا یہ موقف ایسا نہیں ہے جس سے اہل علم بے خبر ہوں۔ ابن عابدین کا رسالہ جو اس بارے میں ہے وہ ہر دور میں چھپتا ہی رہا ہے اور اہل علم کے مطالعہ میں رہتا ہی ہے۔ [مکمل مضمون کے لئے مفتی صاحب موصوف یا ادارہ محدث میں رابطہ کریں]

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جامعہ ابوہریرہ، نوشہرہ اور ماہنامہ القاسم کے مدیر مولانا عبدالقیوم حقانی کا مکتوبِ گرامی

برادرِ مکرم ڈاکٹر حافظ حسن مدنی صاحب زید مجدکم ۲۵/ اکتوبر ۲۰۱۱ء

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته!

ماہنامہ 'محدث' علم و قلم، تحقیق و تدقیق اور گفتگو میں شائستگی و احترام، بحث میں اعتدال و میانہ روی اور مضامین کے معیار و انتخاب میں ایک عمدہ نمونہ بلکہ تمام جرائد کے لئے ایک آئیڈیل لائحۂ عمل ہے۔ اب کے بار جو قانون امتناعِ توہین رسالت بالخصوص گستاخِ رسول کی سزا اور اَحناف کے موقف کے موضوع پر ماہنامہ 'محدث' نے جس طرح بسط و تفصیل سے اور دلائل و براہین کی روشنی میں علوم و معارف کے مربوط اور مستحکم حوالہ جات سے جامع مقالے شائع کیے ہیں، اس حوالے سے ماہنامہ 'محدث' کو خصوصی امتیاز و مقام حاصل ہے۔

ع تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا !!

دوسری طرف 'حنفیت' کے نام پر غامدیت کی ترجمانی' حد درجہ لائقِ صد مذمت کردار ہے، اس سلسلہ میں نرم گوشہ اور تسامح پوری ملت کے لئے خطرناک ہے۔ عمار خان ناصر کی تحریریں، علم و ادب، تصنیف و تالیف، ذوقِ مطالعہ اور تحریر کا ملکہ قابل صد ستائش صحیح مگر غامدی سے تلمذ، اُن سے متاثر ہونے اور ان کی ملازمت اور پھر انہی کے فکر و نظر کا پرچار کرنا انتہائی مہلک، خطرناک، اتحادِ اُمت، وحدتِ ملت اور اُمت کی مستحکم عمارت میں نقب لگانے کے مترادف ہے جس کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آپ نے جو اِس حوالے سے مفصل مقالہ لکھا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے موضوع کا حق اَدا کر دیا ہے۔ ہاں! ایک اندیشہ یہ بھی ہے کہ بعض نادان دوست اسے حنفیت اور اہل حدیث کی جنگ کا رنگ دے کر غلط فائدہ اُٹھا سکتے ہیں مگر جرح و اعتراض اور مخالفت و مزاحمت کے اندیشوں سے ڈر کر موقفِ حق کو چھوڑنا یا مشن سے ہٹ جانا کوئی دانشمندی، عقل مندی اور دانائی نہیں۔ میری طرف سے ہدیۂ تبریک قبول فرمایئے۔ مرداں چنیں مے کنند!

میں نے بھی عمار خان ناصر کے حوالے سے 'القاسم' میں بہت کچھ لکھا ہے مگر اُدھر سے اصل موضوع پر کوئی جواب نہیں دیا گیا اور نہ چھپا۔ صرف لیپا پوتی کر کے غامدی مشن کی تکمیل اور اس کے فروغ و مشن پر کام جاری رکھا جارہا ہے۔ ایں چہ بوالعجبی است!

والسلام عبدالقیوم حقانی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر عمران وحید
فیصل ٹاؤن، لاہور

اِک محافظِ ملت محمد عطاء اللہ صدیقی کی یاد میں

۳؍ستمبر ۲۰۱۱ء بروز ہفتہ سہ پہر ۴ بج کر ۴۰ منٹ پر میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ فون اُٹھایا تو آواز آئی: "السلام علیکم ڈاکٹر صاحب! میں عطاء اللہ صدیقی بول رہا ہوں۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے۔ میری جانب سے آپ کو بہت بہت عید مبارک ہو۔ اگر آپ گھر پر ہوں تو میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ دراصل میری بیٹی کی طبیعت ابھی تک خراب ہے اور میں علاج کے سلسلہ میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے صدیقی صاحب سے اپنی پیشہ وارانہ مصروفیات کے باعث اس روز معذرت چاہی اور اگلے روز یعنی اتوار کی ملاقات طے پائی۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میں آخری مرتبہ صدیقی صاحب کی آواز سن رہا تھا اور اب اُن سے کبھی ملاقات نہ ہو سکے گی۔

عطاء اللہ صدیقی صاحب پنجاب گورنمنٹ کے شعبہ منرل ڈویلپمنٹ کارپوریشن (Punjmin) کے سیکرٹری تھے اور میرے ساتھ اُن کے بڑے گہرے اور دوستانہ مراسم تھے اور ساتھ ہی ساتھ ادب اور احترام کا بھی مضبوط رشتہ تھا۔ اُن کے اہل خانہ اور وہ خود بھی میرے مریض تھے۔ ۹ ستمبر بروز جمعۃ المبارک علی الصبح چار بج کر چالیس منٹ پر میرے موبائل فون پر ایک پیغام موصول ہوا جس کی عبارت یہ تھی:

"Attaullah Siddiqui is very critical in ICU, platelets urgently needed please contact."

یہ پیغام صدیقی صاحب کے موبائل فون سے اُن کی بیٹی نے ارسال کیا تھا۔ اس کے جواب میں جب میں نے فون کیا تو مجھے بتایا گیا کہ عطاء اللہ صدیقی صاحب کو ڈینگی فیور کے باعث ڈاکٹرز ہسپتال میں داخل کروایا گیا تھا، جہاں علاج کے باوجود اُن کی حالت تشویشناک

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور اُن کے جسم سے خون بہہ گیا ہے۔ مزید یہ کہ دماغ کے اندر خون بہہ جانے کے باعث وہ بے ہوش ہوگئے تھے اور اب مصنوعی سانس کے آلے Ventilator پر ہیں۔ خون کو روکنے کے لیے 'پلیٹ لیٹس' کی اشد ضروری ہے۔ میں نے اپنے طور پر جب متعلقہ عملے اور ڈاکٹر صاحبان سے رابطہ کیا تو علم ہوا کہ برین ہیمبرج کے باعث ان کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے اور خون کا بہنا بدستور جاری ہے۔ میں نے فون رکھ دیا اور صدیقی صاحب کی زندگی اور صحت کے لیے بہت دعائیں کیں۔

ڈاکٹرز ہسپتال سے میرا رابطہ ۱۰ ستمبر کو ہوا تو حالت بدستور خراب تھی اور ڈاکٹروں نے بتایا کہ صدیقی صاحب زندگی موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ۱۲ ستمبر کو علی الصبح عطاء اللہ صدیقی صاحب ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے کر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

اگرچہ میرا عطاء اللہ صدیقی صاحب سے کوئی خون کا رشتہ نہ تھا لیکن اس کے باوجود اُن کی موت نے میرے ذہن پر شدید اثرات مرتب کئے ہیں اور میں شدید صدمے سے دوچار ہوا۔ اس کی وجہ صدیقی صاحب کی شفیق ہستی، اُن کا ہمہ وقت مسکراتا ہوا چہرہ اور ان کی بے شمار دیگر خوبیاں تھیں جو آج کے مادہ پرست معاشرے میں تقریباً ناپید ہیں۔ میں صدیقی صاحب کو آج سے پانچ سال قبل بالکل نہیں جانتا تھا۔ عطاء اللہ صدیقی صاحب سے میری ملاقات ماہنامہ 'محدث' کے مدیر جناب ڈاکٹر حسن مدنی صاحب نے کروائی۔ اُن دِنوں صدیقی صاحب بیمار تھے اور شوگر میں علاج ومعالجہ کے لیے میرا ان کے گھر جانا ہوا۔ یہ پہلی ملاقات ہی میرے لیے بڑی یادگار اور باعثِ مسرت تھی کیونکہ صدیقی صاحب کا خلوص اور محبت بے مثال تھی۔ صدیقی صاحب سے اس کے بعد میری براہِ راست ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو ان کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا۔ وہ کئی مرتبہ میرے گھر بھی تشریف لاتے اور میرے والد محترم ڈاکٹر عبدالوحید صاحب سے بھی ملتے اور بے حد خوش ہوتے۔ ان کا مزاج ایسا تھا کہ ان کی ذات ہر طرح کے تکلفات اور لوازمات سے بے نیاز اور سادہ تھی اور وہ یوں ملتے تھے جیسے اپنے کسی قریبی عزیز کے گھر آئے ہوں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آج صدیقی صاحب ہم میں موجود نہیں ہیں اور ان کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ وہ نہایت ہی پُرخلوص انسان تھے، عالم باعمل اور شریف النفس آدمی تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بیک وقت دینی اور عصری و جدید علوم پر مکمل دسترس نصیب فرمائی تھی اور اپنی زبردست ذہانت اور عمدہ حافظے کے باعث ان کو تمام علوم و فنون پر مکمل عبور حاصل تھا۔ فلسفہ دین و مذہب، فقہ، حدیث، قرآن فہمی کی بات ہو یا تقابل ادیان کا معاملہ ہو، سائنسی علوم ہوں یا شعر و ادب یا فلسفہ کا میدان یا پھر تاریخ، سیاست، معاشیات یا تصور کے دقیق مسائل عطاء اللہ صدیقی صاحب ہر علم کے ماہر اور عالم تھے۔ ان کی غیر معمولی قوتِ استدلال اور موقع پر صحیح اور درست دلائل سے اپنے مخالف کو اس طرح لاجواب کر دینے کی صلاحیت انہی کا خاصہ تھی کہ ان کے ساتھ بحث کرنے والا لاکھ مخالفت کرنے کے باوجود ان کی بات سے قائل ہو کر ہی اُٹھتا تھا۔ اس بات کا اعتراف ان کے مخالفوں نے بھی کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بلا کی ذہانت سے نوازا تھا۔ عطاء اللہ صدیقی صاحب کی شخصیت کا ایک اور پہلو ان کی نظریۂ پاکستان سے شدید محبت اور ارضِ پاک پر بسنے والے ہر مسلمان کے دل میں قائداعظم اور علامہ اقبال کے افکار و نظریات اور حقیقت و مقصد قیام پاکستان کو اُجاگر کرنا تھا۔ وہ اس بات کو تحریری اور تقریری طور پر کئی مواقع پر ثابت کر چکے تھے کہ چاہے کوئی کتنا ہی زور لگالے اور کتنے ہی دلائل دیتا رہے، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سیکولرازم کا واحد مطلب لادینیت ہے اور سیکولر فورسز کی تمام تر کوششوں کے باوجود پاکستان میں صرف اور صرف دین اسلام ہی کی ترویج اور تنفیذ لازمی ہے۔ عطاء اللہ صدیقی صاحب زندگی بھر نظریہ پاکستان کی اساس پر ہونے والے ہر حملے کا بھرپور جواب دیتے رہے۔ انہوں نے قائداعظم کی شخصیت کے بارے میں کئے جانے والے بے شمار اعتراضات کا نہایت مدلل جواب دیا اور یہ ثابت کیا کہ قائداعظم کے نزدیک قیام پاکستان کا مقصد دین اسلام کا عملی نفاذ تھا اور قائداعظم قطعاً سیکولر نظریات کے حامل نہ تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مرحوم عطاء اللہ صدیقی نظریۂ پاکستان کے ایک نڈر سپاہی اور پاکستان

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی نظریاتی سرحدوں کے ایک عظیم محافظ تھے تو غلط نہ ہوگا۔ آج جبکہ ارضِ پاک کے طول وعرض میں لادینی اور سیکولر قوتوں کا پراپیگنڈہ اور اس کی نحوست پھیل چکی ہے اور مختلف الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ یہ نظریات عام کئے جارہے ہیں کہ دراصل پاکستان کا قیام کسی نفاذِ اسلام کے لیے عمل میں نہ آیا تھا اور جو تاریخ وحقائق نظریہ پاکستان کے بارے میں ہم اپنی نئی نسل کو منتقل کررہے ہیں وہ تبدیل شدہ ہیں اور تقسیم ہند کی چنداں ضروری نہ تھی۔

عطاء اللہ صدیقی صاحب کا سانحۂ ارتحال ایک نہایت ہی قیمتی انسان کی موت اور ملک وملت کے لیے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اُن جیسا سیکولر اور لادینی قوتوں کا مقابلہ کرنے والا شاید اور کوئی موجود نہیں ہے۔ وہ لادینیت، سیکولر نظریات، فحاشی وعریانی اور وطن عزیز میں ہونے والی ہر بُرائی کے خلاف ایک ننگی تلوار تھے۔ لاہور شہر کے تھیٹر ڈراموں میں ہونے والی بے حیائی اور بیہودگی کا نوٹس سب سے پہلے اُنہوں نے لیا اور متعلقہ حکام کے ذریعہ سے ایکشن لے کر سٹیج اور تھیٹر ڈراموں میں رقاصاؤں کے بیہودہ رقص اور بے حیائی کو روکا۔ بدقسمتی سے صوبائی، مذہبی اور نسلی بنیادوں پر تقسیم اور پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کی جو سازشیں کی جارہی ہیں ان کی پیشگوئیاں صدیقی صاحب نے بہت پہلے کردی تھیں اور وہ تن تنہا اس محاذ پر لڑنے کے لیے تیار تھے۔

مغرب سے متاثرہ بے شمار صحافیوں اور برائے نام دانشوروں جنہیں وہ دانش باز کہا کرتے اور ادیبوں کی شدید مخالفت کے باوجود عطاء اللہ صدیقی مرحوم نے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے دفاع کا فریضہ آخری دم تک انجام دیا اور کامیاب وکامران رہے۔ صدیقی صاحب مرحوم تفریح کے نام پر ہندوآنہ رسوم ورواج اور امن کی آشا کے فلسفوں کے بھی مخالف تھے۔ ان کے نزدیک ہولی، دیوالی، بسنت سب کے سب ہندو مذہب کے تہوار ہیں اور اس سلسلے میں ان کی بسنت کے متعلق کتاب بہترین تصنیف ہے جسے ادارہ محدث نے شائع کیا ہے۔ وہ ہندوستان کے ساتھ دوستانہ مراسم کے صرف اس صورت میں قائل تھے جب تک نظریہ پاکستان کے اُصولی تصور پر معمولی سی آنچ نہ آئے اور پاکستان کی عظمت و وقار برقرار رہے۔ محض ڈر اور خوف کے باعث ہندوستان کے سامنے ہاتھ جوڑنے اور امن

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی آشار چانے کے وہ صرف اس لیے خلاف تھے کہ جو ملک ہمارے آبی ذرائع ڈیم بنا بنا کر ختم کر رہا ہو اور پاکستان کو بنجر بنانا چاہتا ہو اُس کے ساتھ کیسی محبت اور دوستی؟

یہاں یہ نہ لکھنا ناانصافی ہوگی کہ ایک اعلیٰ سرکاری ملازم ہونے کے باوجود صدیقی صاحب بے حد نڈر اور حق بات کہنے میں بے خوف تھے۔ اُنہوں نے جب حق بات کہی تو نہ کسی وزیر و مشیر کی پرواہ کی اور نہ ہی پرویز مشرف جیسے ڈکٹیٹر کی۔ جب پرویز مشرف کی آمریت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا تو انہوں نے 'محدث' میں ایک مضمون قلم بند کیا جس کا عنوان انہوں نے پرویز مشرف کے دو چہرے: اسلام یا سیکولرزم رکھا۔ عاصمہ جہانگیر جب اپنی پیشہ وارانہ بلندیوں کے عروج پر تھی یعنی سپریم کورٹ بار کی صدر تب انہوں نے اس کے خلاف ماہنامہ محدث 'غیرتِ ایمانی پر مشتمل مضمون 'عاصمہ جہانگیر کا توہین رسالت میں کردار' لکھا۔ یہ مضمون ان کی جراءت رندانہ اور جذبہ حب رسول ﷺ پر شاندار دلالت کرتا ہے۔ حق گوئی و بیباکی ان کا وتیرہ تھا اور سوائے اللہ کے وہ کسی سے نہ ڈرتے تھے۔ ایسے مضامین کے نتیجے میں اُنہیں براہ راست حکومتی اور مقتدر طبقوں کے عتاب کا بھی نشانہ بننا پڑا جس سے وہ بعض اوقات ہمیں باخبر بھی کرتے لیکن اُنہوں نے کبھی غلط بات کو غلط کہنے اور حق کی بے باکانہ ترجمانی میں معمولی سی پس قدمی بھی اختیار نہ کی۔

مجھے چند دوستوں اور عطاء اللہ صدیقی صاحب کے جانشین نظریہ پاکستان کے محافظوں نے یہ بتایا کہ پنجاب بھر میں خصوصاً اور پاکستان میں عمومی طور پر عطاء اللہ صدیقی کی موت پر چند معروف سیکولر سکالرز اور دانشوروں نے اطمینان کا اظہار کیا ہے اور نجی محفلوں میں اس امر پر سکھ کا سانس لیا ہے کہ ایک 'بنیاد پرست' سے جان چھوٹی۔ یہاں میں اُن تمام اصحاب کو عمومی طور پر اور پاکستان بھر میں موجود سیکولر نظریات کے حامل افراد کو یہ اچھی طرح باور کروا دینا چاہتا ہوں کہ وہ کسی قسم کی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہ ہوں کیونکہ عطاء اللہ صدیقی ایک فرد نہیں بلکہ ایک ادارے اور ایک فکر کا نام تھا جس کے تربیت یافتہ بے شمار افراد اُن کی شروع کردہ جنگ لڑ رہے ہیں اور ایک صدیقی کی موت سے ان کے مشن میں کوئی کمی نہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئے گی۔ ان کے قارئین ان کے نظریات اور غیرت ایمانی سے مسلح ہو کر ان کے مشن کو پورا کرتے رہیں گے۔ لادینیت اور سیکولر نظریات کی حامل ارواحِ خبیثہ کا تعاقب اس طرح جاری رکھا جائے گا کہ جب تک پاکستان میں سیکولرازم کی آواز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش نہیں ہو جاتی اور یہاں اللہ کا دین اور نظریہ پاکستان کے مطابق نظام نہیں آجاتا یہ مشن جاری وساری رہے گا۔ صدیقی صاحب اس راہِ حق کے شہید ہیں اور یہ مبارک قافلہ ہمیشہ اپنا سفر جاری رکھے گا۔

ڈینگی بخار نے یوں تو بے شمار انسانوں کو پریشان رکھا لیکن صدیقی صاحب تو ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ گئے۔ میں جی او آر کے ساتھ ملحقہ اُس پارک میں کھڑا ہوں جہاں چند ماہ قبل وہ میرے ساتھ دیر تک بیٹھے گفتگو کرتے رہے تھے۔ مگر آج وہ خاموش تھے اور پُر سکون نیند سو رہے تھے جیسے کوئی اپنا کام مکمل کر چکا ہو۔ میرے قریب ہی معروف دانشور جناب اوریا مقبول جان بھی موجود تھے۔ دیگر معروف دانشور صحافی اور اسلام اور نظریہ پاکستان سے محبت رکھنے والے لوگ بھی وہاں موجود تھے، ہر آنکھ اشک بار تھی۔ مولانا حافظ عبدالرحمٰن مدنی نے ان کا جنازہ ہچکیوں اور آنسوؤں میں ڈوب کر پڑھایا اور پیچھے اہل ایمان کی ایک بڑی تعداد ایسے ہی جذبات سے دوچار تھی۔

صدیقی صاحب بے حد شفیق اور ہر دلعزیز ہستی تھے۔ میری نظروں کے سامنے صدیقی صاحب کا مسکراتا ہوا چہرہ تھا اور آج وہ اس جہانِ فانی سے سفر آخرت پر روانہ ہو رہے تھے۔ جسم سے خون بہہ جانے کے باعث رنگت زردی مائل تھی۔ میں اُن کے چہرے کو دیکھ رہا تھا کہ ہجوم میں سے کسی نے مجھے آگے دھکیل دیا اور صدیقی صاحب کا چہرہ میری نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اوجھل ہو گیا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ محمد عطاء اللہ صدیقی صاحب پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے۔ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ اُن کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے اور قبر و نار کے عذاب سے اُن کو محفوظ فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور اُن کے اہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین ثم آمین!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ شفیق الرحمٰن
معروف کالم نگار

فکرِ اسلامی کا بے باک ترجمان اور غیور پاسبان

صدیقی مرحوم کی یاد میں ادارۂ محدث کے خصوصی تعاون سے ایک تعزیتی اجلاس ماڈل ٹاؤن لائبریری، لاہور میں 'مجلس ترقی فکر' نے ۱۰ر اکتوبر کی شام کو منعقد کیا جس میں صدیقی صاحب کے رفقا ڈاکٹر حافظ حسن مدنی، جناب عبدالرزاق چیمہ ڈی ایس پی، معروف دانشور محترم اوریا مقبول جان اور محترمہ غزالہ اسمٰعیل صاحبہ، سابقہ پرنسپل ماڈل ٹاؤن ڈگری کالج برائے خواتین نے اُن کی خدمات کا خوبصورت انداز میں تذکرہ کیا۔ زیر نظر تحریر حافظ شفیق الرحمٰن صاحب کی اس موقع پر ہونے والی تقریر کی تسوید ہے۔ صدیقی مرحوم پر راقم کا تفصیلی مضمون زیر تکمیل ہے اور قارئین سے بھی اپنے تاثرات لکھنے کی درخواست ہے۔ ح م

محمد عطاء اللہ صدیقی سے میری پہلی پہل ملاقات ۱۹۹۷ء میں ہوئی۔ یادش بخیر ان دنوں میرا کالم 'آئینہ خانہ' ان کی نظر سے گذرا۔ یہ کالم اُنہیں پسند آیا تو اُنہوں نے بلا تاخیر فون پر مجھ سے رابطہ کیا۔ وطن عزیز کے وقیع اور مؤقر دینی جریدے ماہنامہ 'محدث' کے دفتر میں ڈاکٹر حافظ حسن مدنی کے ہاں بھی میری اُن سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ گاہے ماہے میں اُن کے دفتر بھی جاتا رہا۔ میرے اور ان کے مابین قدرِ مشترک یہ تھی کہ ہماری خواہش تھی کہ اس معاشرے اور مملکت میں بے راہروی اور کج روی کا جو بدلگام طوفان آرہا ہے، فکری، نظری، علمی، ادبی اور صحافتی سطح پر اِس طوفان کے راستے میں کوئی بند باندھا جائے۔ وہ اس سلسلہ میں اکثر اپنی تشویش اور اضطراب کا اظہار بھی واشگاف الفاظ میں کرتے۔ وہ اسلامیت اور پاکستانیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک نفیس اور نستعلیق شخصیت تھے۔

دو تین ماہ پہلے میری اُن سے ملاقات ایک تقریب میں ہوئی۔ لندن سے ہمارے ایک کالم نگار دوست سمیع اللہ ملک لاہور تشریف لائے تو دوستوں نے اُن کے اعزاز میں ایک تقریب کا انعقاد کیا۔ میں نے صدیقی صاحب کو بھی اس تقریب میں خصوصی طور پر مدعو کیا۔ بحیثیت ایک سینئر بیوروکریٹ بے پناہ مصروفیات کے باوجود اُنہوں نے وقت نکالا اور تقریب میں شرکت کی۔ اس موقع پر میں نے اُنہیں اظہارِ خیال کی بھی دعوت دی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بھی اس امر پر زور دیا کہ اسلامی سوچ اور دینی فکر رکھنے والے دانشوروں کو ایک دوسرے کی قدر افزائی کے لئے اس قسم کی خوشگوار تقریبات کا انعقاد باقاعدگی سے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنا چاہئے۔ تقریب ختم ہوئی تو چہار ستارہ ہوٹل کی لابی میں وہ آدھ پون گھنٹہ تک میرے ساتھ یکساں سوچ رکھنے والے قلمکاروں، کالم نگاروں اور دانشوروں کے باہمی رابطوں میں کمی کا شکوہ کرتے رہے۔ وہ انتہائی دکھے دل کے ساتھ اس کرب کا بھی اظہار کرتے رہے کہ وہ لوگ جو اس معاشرے اور مملکت کی سیکولرائزیشن، ویسٹرنائزیشن، ماڈرنائزیشن اور امریکانائزیشن کے خلاف ہیں، اُنہیں متحد ہو جانا چاہئے۔ ان کی شدید ترین خواہش تھی کہ وہ تمام دانشور جو مملکتِ خداداد پاکستان کی ڈی اسلامائزیشن، ڈی سٹیبلائزیشن، ڈی نیو کلیئرائزیشن اور نصاب کی ڈی قرآنائزیشن کیلئے سرگرمِ عمل قوتوں کے خلاف ہیں، علمی، فکری، ادبی اور صحافتی سطح پر وہ اپنا ایک متحدہ محاذ اور مشترکہ پلیٹ فارم بنائیں۔ کاش ان کی اس تشنہ تکمیل خواہش کو ان کے نقطہ نظر سے متفق اسلام دوست دانشور بامِ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ یہاں اخوان الشیاطین کا منظم اور مضبوط دھڑا مختلف تنظیموں، انجمنوں اور حلقوں کی شکل میں اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہے لیکن ان ریشہ دوانیوں کے انسداد کے لئے ابناء الاسلام کی کوئی مؤثر تنظیم سرے سے موجود نہیں۔ یہاں جن اخوان الشیاطین کا ذکر ہوا ہے، عرفِ عام میں محبِّ وطن پاکستانی اُنہیں سیکولر، لبرل اور ماڈریٹ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ وہ تو جھاڑ باندھ کر اسلامی اور مشرقی اقدار کے خلاف اعلانیہ جنگ کر رہے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اکثر و بیشتر الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر اسی بلیک لیبل، بلیو لیبل اور ریڈ لیبل گروپ کا قبضہ اور اجارہ ہے۔ میں خود پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے تعلق رکھتا ہوں اور اس بھیانک صورتحال کا سامنا کر رہا ہوں۔ ایسے میں محترم عطاء اللہ صدیقی کی تحریریں پڑھنے کے مجھے مواقع ارزاں ہوتے رہے۔ یہ مواقع ارزاں کرنے پر میں خصوصاً ماہنامہ محدث کا مشکور و ممنون ہوں۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ 'محدث' مجھے اُن ہی کی کاوشوں سے باقاعدہ ملتا رہا۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ محدث پاکستان کا ایک خالص تحقیقی، علمی، فکری، ادبی اور نظری معاملات و مسائل کا محاکمہ کرنے والا جید اور مستند جریدہ ہے۔ اس جریدہ کے مرتبین اور پیش کاروں کے ساتھ صدیقی صاحب کا گہرا رابطہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کے اندر اِسلامیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ۱۹۹۷ء میں غالباً پہلی مرتبہ جب ایک این جی او نے کسی دینی گھرانے کے خلاف باقاعدہ تحریک چلائی تو اپنے طور پر کالموں کی ایک سیریل میں عاصمہ جہانگیر اور اس کی 'بٹالین' کی کارستانیوں کا کڑا محاسبہ کیا۔ ان کالموں میں، میں نے قارئین کو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بتانے کی کوشش کی کہ پاکستان میں موجود فارن فنڈڈ، فارن ڈکٹیٹڈ، فارن پیٹرونائزڈ، فارن میڈ، فارن پیڈ اور فارن سپانسرڈ این جی اوز کی ایک چین (Chain) ہے۔ دراصل یہ سب اینٹی پاکستان قوتیں ہیں اور ان کے آفسز، سیکرٹریٹ اور ان کے مراکز اصل میں دہشت گردی، شر پسندی اور معاشرے میں تشدد پسندی کی اصل تربیت گاہیں، آماجگاہیں اور پناہ گاہیں ہیں۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ جانتے بوجھتے سرکاری سطح پر مملکت کے صدور، وزرائے عظام اور آرمی کے چیفس سمیت، بے شمار مقتدر لوگ ان کو روشن خیالی کا سمبل اور ترقی پسندی کی علامت تصور کرکے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اِن وطن دشمن عناصر کو باقاعدہ سکیورٹی اور پروٹوکول فراہم کیا جاتا ہے، اعلیٰ ترین حکومتی شخصیات کی طرح اُن کی باقاعدہ حفاظت کی جاتی ہے۔

محترم جناب عطاء اللہ صدیقی صاحب نے جو کچھ لکھا، اُس کو آپ پڑھ لیجئے۔ بحیثیتِ دانشور وہ ایک کثیر الجہات اور جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ خوبیوں کا مرقع اور محاسن کی قاموس تھے۔ کالم نگار، تجزیہ نگار، مضمون نگار، مقالہ نگار، گفتگو کار، شاعر، ادیب، مصنف اور محقق تھے۔ یہاں ان کی بہت سی تصنیفات، مضامین اور بحیثیتِ قلمکار مختلف شعبوں میں ان کی خدمت کا ذکرِ خیر ہوا لیکن یہ بھی یاد رہے کہ وہ متعدد کتابوں کے دیباچہ نگار بھی تھے مثلاً 'رواداری اور مغرب' محمد صدیق بخاری کی کتاب ہے جس کا دیباچہ محمد عطاء اللہ صدیقی صاحب نے لکھا اور اس میں اس بات کا اظہار کیا کہ ہم فنڈامینٹلسٹ ہیں، ہم مسلمان ہیں، بنیاد پرستی ہمارے خمیر و ضمیر میں شامل ہے۔ ہم اپنے بنیادی عقیدے پر کسی قسم کا کمپرومائز نہیں کرنا چاہتے اور مغرب ہمیں اسلام کے نام پر اور محض توحید کے ساتھ وابستہ ہونے اور عشق رسالت مآب ﷺ سے سرشار ہونے کی وجہ سے جتنی مغلظ گالیاں دے سکتا ہے، وہ دے رہا ہے۔ اسلامک ایکسٹریمسٹ، اسلامک ٹیررسٹ، اسلامک فنڈامینٹلسٹ، اسلامک فاشسٹ... ان کی گالیوں کے ترکش میں جو بھی عناد کے زہر میں بجھا تیر ہے، اس کا ہدف اسلام اور مسلمان ہے۔ کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ عیسائی ٹیررسٹ، ہندو ٹیررسٹ یہودی ٹیررسٹ۔ ان کی اسلام دشمنی کا اندازہ اس سے لگائیے پاکستان نیوکلیئر بم بناتا ہے تو اسے اسلامک بم کا نام دیا جاتا ہے۔ اپنے دین، اُمہ اور قوم وملک کا دفاع کرنا ہمارا فرضِ اولین ہے۔ اس ضمن میں اربابِ دانش و بینش کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، اُنہیں روایتی تغافل وتساہل کو بالائے طاق رکھ کر اپنی جملہ اہلیتوں، صلاحیتوں، استعدادِ کار اور قابلیتوں کو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرحوم کی طرح وقفِ دین کرنا ہوگا۔ یہ فرمانِ امروز ہے!

جب بھی عطاء اللہ صدیقی کے مختلف الوان کارہائے نمایاں کی یاد آتی ہے، میرا وجدان واحساس گواہی دیتا ہے کہ جو آدمی اتنی بڑی فکر کا اثاثہ چھوڑ گیا ہے وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتا، لقمہ اجل نہیں بن سکتا، رزقِ غیار نہیں ہو سکتا، وہ شخص کبھی فنا نہیں ہو سکتا جو کوئی ایک زندہ اور بامعنی تحریر کاغذ پر چھوڑ جاتا ہے۔ جس نے کاغذ کی جھولی میں دیانتِ فکر کے ساتھ پاکستان اور اسلام کی نظریاتی سرحدوں کے دفاع کے لیے اپنی خوشبو دار تحریریں چھوڑی ہوں، اس شخص کے لیے میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ وہ شخص مر چکا ہے۔ اس کی تحریریں جب تک پڑھی جائیں گی، اس کی تحریروں کی جب تک یاد آئے گی، اس کے جہانِ معانی و مطالب کو اپنی آغوش میں لئے الفاظ نگاہوں کے سامنے آئیں گے اور جب بھی اس کے افکار و خیالات ہمارے ذہن کی منڈیر پر دیپ بن کر جگمگائیں گے تو ان کی حیاتِ جاودانی پر ہمارا یقین مزید پختہ ہوتا چلا جائے گا۔ ناصر کاظمی نے کہا تھا:

یاد کے بے نشان زنجیروں سے تیری آواز آرہی ہے ابھی
شہر کی بے چراغ گلیوں میں زندگی تجھے ڈھونڈتی ہے ابھی

عطاء اللہ صدیقی زندہ ہیں۔ اور ناصر پھر مجھے یاد آیا کہ اسی نے کہا تھا:

پرانی محفلیں یاد آرہی ہیں چراغوں کا دھواں دیکھا نہ جائے

کسی اور شخص کے بارے میں کسی نے کہا تھا اور اسے میں عطاء اللہ صدیقی صاحب کے نام کرتا ہوں:

گلزار کے سایوں میں وہی حشر بپا ہے پھولوں سے ابھی تک تیری خوشبو نہیں جاتی

محمد عطاء اللہ صدیقی ہمارے حافظے، ہماری یادوں، ہمارے خوابوں، ہمارے خون، ہماری شریانوں، ہمارے جسم کے ہر ٹشو اور وجود کے ہر بافت کے اندر زندہ ہیں۔ ہم تو ان کی تحریک کے ہراول دستے کے ایک سپاہی ہیں چونکہ وہ ہمارے جرنیل تھے اور ہم ان کے ایک ادنیٰ سے سپاہی تھے اور اُن کی قیادت میں لڑ رہے تھے اور ان سے مشاورت کرتے تھے کہ یہ معاملہ ہے اور اس وقت اس سے کیسے نمٹا جائے اور اس کا کیسے محاکمہ کیا جائے؟

ایسے لوگ یقیناً جس طرح مجھ سے پہلے پرنسپل صاحبہ نے ذکر کیا Hand to mouth ہی رہا کرتے ہیں۔ وہ بھی اپنا رزقِ حلال، علم کی نذر کر کے انتہائی سادہ زندگی گزار رہے تھے۔ بات یہ ہے کہ اس معاشرے میں بے تحاشا دولت کن لوگوں کے پاس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اُن لوگوں کے پاس جنہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا۔ ان کا مال جو ہے وہ کرپشن اور لوٹ کا مال ہے۔ وہ تو ایک بیوروکریٹ تھے، بڑے بیوروکریٹ۔ اور یہاں تو عام سرکاری ملازم کی سوچ وہی ہے، جس کی عکاسی اکبر الٰہ آبادی نے ایک شعر میں یوں کی تھی:

چار دن کی زندگی ہے، کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر رہا خوشی سے پھول جا

اور صدیقی صاحب تو کلرکی نہیں، افسری کر رہے تھے اور فاقہ کشی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ افسری کر رہے تھے اور "Hand to mouth" تھے۔ یہ دیانت کا نتیجہ تھا اور یہ دیانت کیش ہوگی۔ کہتے ہیں کہ جب ایک اُموی حاکم کا انتقال ہوا تو اُس نے ترکے میں اپنی اولاد کے لئے ہزاروں جاگیریں، سینکڑوں محلات، بیسیوں باغات اور بے تحاشا دولت کے انبار چھوڑے لیکن جب حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا تو اُن کے اہل خانہ کے پاس اس شب دیا جلانے کے لیے تیل بھی نہیں تھا، لیکن تاریخ کی آنکھوں اور آسمان کی پوری پلکوں نے وہ مناظر دیکھے کہ عمرؒ بن عبدالعزیز کے بچے کروڑوں اور اربوں درہم و دینار کا کاروبار کر رہے تھے اور لمبا چوڑا تر کہ چھوڑ کر جانے والے حاکم کے بچے جامع اُمویہ دمشق کی سیڑھیوں میں کٹورے ہاتھ میں لئے کھڑے بھیک مانگ رہے تھے۔ کرپشن کا مال کبھی کسی کے پاس نہیں رہا۔ کسی کے پاس رہا ہو تو مجھے اس کا اتا پتا بتا دیجئے۔ اخبار نویس یہاں موجود ہیں، اِس کے بارے تھوڑی بہت سٹوری تیار کرلیں۔ لوٹ کا مال کبھی کسی کے پاس نہیں رہا۔ اور اگر صدیقی مرحوم نے دیانت سے زندگی گزاری تو ہم اُن کی روح سلیوٹ کرتے ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں، ہم ٹرائی بیوٹ پیش کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ تو پہاڑی کا چراغ، مینارۂ نور اور زمین کا نمک ہوا کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ زندگی کے تاریک صحرا میں قندیلِ رہبانی کا کام کرتے ہیں۔ عطاء اللہ صدیقی صاحب نے یقیناً یہ کام کیا۔

یہ احساس ہمہ وقت ان کے پیش نظر رہا کہ ایک روز ہمیں خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ ہمیں اپنے ہر لکھے ہوئے لفظ کا جواب دینا ہے۔ اپنے ہونٹوں سے ادا کئے گئے ہر حرف کی ہم سے باز پرس ہوگی۔ جوابدہی کا احساس ہی ہے جو ایک مردِ مؤمن کو اپنے منصب پر بددیانتی سے روکتا ہے۔ آپ اخبار نویس ہوں، بیوروکریٹ ہوں، آپ اینکر پرسن ہوں، جب آپ کسی پارٹی، کسی ایجنسی اور کسی حکومت کے پے رول پر نہیں ہوتے تو آپ حقائق اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صداقت کا احیا کرتے ہیں۔ گویا آپ پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے دفاع کے لیے ایک سپاہی کی طرح شمشیر بکف دکھائی دیتے ہیں۔ پھر آپ کا قلم درّۂ فاروقی بن جاتا ہے۔

آخری بات عرض کرکے میں آپ سے اجازت چاہوں گا کہ عطاء اللہ صدیقی صاحب نے بے شمار تحریریں چھوڑیں۔ یہ ایک چھوٹی سی تقریب ہے، ان کے لیے بہت بڑی تقریب ہونی چاہیے۔ شہر کی سطح پر ہونی چاہیے اور اہلیانِ لاہور کو پتہ لگنا چاہیے کہ جناب شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا، ایک روشن دماغ تھا نہ رہا۔ لوگوں کو اس بات کا احساس دلوانا اور یاد کروانا چاہیئے کہ لوگو! تم میں سے ایک ایسا آدمی تھا اُٹھ گیا، جو ایک چلتا پھرتا تھنک ٹینک، بولتا چالتا انسائیکلوپیڈیا اور جیتی جاگتی لائبریری تھا۔ وہ ہم سے اُٹھ گیا!!

کہتے ہیں جب حضرت علیؓ کا انتقال ہوا، ان کی شہادت ہوئی اور اس کی خبر اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو دینے کے لیے قاصد کو مدینہ طیبہ بھیجا گیا۔ قاصد جب مدینہ طیبہ کی حدود میں داخل ہوا اور اُمّ المومنین کے حجرے کے سامنے کھڑے ہو کر بتایا کہ امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ۱۷ رمضان المبارک کو حضرت علی پر وار ہوا اور ۲۱ رمضان کو ان کی شہادت ہوگئی۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہ صدیقہ نے اس موقع پر ایک تاریخی جملہ کہا: اُمّ المومنین نے کہا: ''اہل عرب جاؤ! آج سے تم آزاد ہو کہ تمہیں روکنے ٹوکنے والا مر گیا...!''

ہم عطاء اللہ صدیقی کی یاد میں 'مالمسٹ کلب آف پاکستان' کی جانب سے بھی تعزیتی ریفرنس کا ان شاء اللہ انعقاد کریں گے۔ یہاں پر متین خالد صاحب کے بھائی موجود ہیں اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی۔ یوں محسوس ہوتا ہے جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں جب وہ مر جاتے ہیں تو ان کی یاد میں کوئی جلسہ، کوئی سیمینار نہیں ہوتا، ریڈیو کوئی پروگرام نشر نہیں کرتا۔ ٹی وی کوئی پیکیج تیار نہیں کرتا، کوئی اخبار ایڈیشن شائع نہیں کرتا۔ کتنے کالم نگار ہیں جنہوں نے عطاء اللہ صدیقی مرحوم کو خراجِ تحسین پیش کرنے کیلئے کوئی کالم لکھا ہو، کسی ادارتی صفحہ پر کوئی تعزیتی شذرہ تحریر کیا گیا ہو۔ ہر طرف ایک بے حسی سی چھائی ہوئی ہے۔ لیکن عطاء اللہ صدیقی مرحوم کے کارنامے ان تکلفات کے محتاج نہیں۔ حقیقت خود کو منوالیتی ہے، مانی نہیں جاتی۔ اس کے باوجود بے حسی پر افسوس ضرور ہوتا ہے۔ اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گا:

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے، نہ ذوق بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے، نہ دیں!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روبینہ شاہین[1]

اِک ـــــ چراغ اور بجھـــا... !

کبھی کبھی لفظ بہت چھوٹے ہو جاتے ہیں اور کہنے والے کی بات اور دُکھ بہت زیادہ۔ دل چاہتا ہے کہ ان کا تذکرہ نوکِ قلم سے نہیں بلکہ خونِ دل سے کیا جائے اور سچی بات تو یہ ہے کہ پھر بھی حق ادا نہ ہو! محمد عطاء اللہ صدیقی رحلت فرما گئے۔ إنا للہ وإنا إلیه راجعون

دل شدتِ غم سے پھٹا جارہا ہے اور اُن کی ناگہانی موت کا یقین کرنا مشکل۔ وہ بھی اس قحط الرجال کے دور میں، جب ان جیسے عزم اور گوناگوں افکار کے مالک لوگوں کی اشد ضرورت ہے، مگر قدرت کا اپنا نظام ہے جس سے کسی کو مفر نہیں!

میری ان سے شناسائی دس سال پرانی ہے۔ تب سے جب ان کی پر مغز باتیں بھی ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں آتی تھیں۔ میں ایف اے کی طالبہ تھی، جب ان کی تحریر پہلی دفعہ میری نظر سے گزری، غالباً طالبان کی بت شکنی کے حوالے سے تھی یا سیکولرازم پہ... جو ماہنامہ 'محدث' میں شائع ہوئی۔ بہت ہی پُر اثر اور فکر انگیز تحریر تھی۔ جو اپنے جداگانہ اُسلوب، جری اور غیور فکر سمیت سیدھا دل میں اُتر گئی اور اس سے اگلے ہی دن میں اور میری دوست اُن کی رہائش گاہ پر اُن کے سامنے بیٹھے تھے۔ وہ بے حد مشفق انسان تھے، بہت محبت اور خلوص سے ملے۔ مگر میرا مسئلہ ہنوز برقرار، ان کی بلند علمی سطح اور اعلیٰ پائے کی ادبی گفتگو، آدھی سے زیادہ اُوپر سے گزر گئی۔ مگر محبت اور خلوص کی اپنی زبان ہوتی ہے جو علمی سطح کی محتاج نہیں ہوتی۔ یہی محبت اور خلوص ہی تھا، ہم اکثر ان کے ہاں جانے لگے، جب بھی گئے، وہ اور اُن کی اہلیہ بہت خلوص سے ملتے، گھنٹوں گپ شپ ہوتی، اُمورِ خانہ داری سے لے کر سیاسی معاملات تک سبھی موضوع زیر بحث آتے۔ کچھ باتیں سمجھ میں آتیں اور کچھ اوپر سے

[1] طالبہ جامعہ پنجاب، لاہور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گزر جاتیں... بہر حال وقت گزرتا رہا، ملاقاتوں کا سلسلہ تو ویسا نہ رہ سکا، مگر فون پر رابطہ کبھی کبھار ہو جاتا، مگر بذریعہ تحریر اُن سے جو لگاؤ پہلی تحریر کے بعد پیدا ہوا تھا، وہ ہمیشہ قائم رہا۔

ماہنامہ محدث میں ان کی تحریریں پڑھنے کو ملتی رہتی اور گرتے پڑتے ہم ایم اے میں آن پہنچے، تھوڑی سی ذہنی سطح بلند ہوئی تو اُن کی تحریریں اور بھی قلب و دماغ کو گرمانے لگیں۔ وطن عزیز کی دگرگوں حالت پہ ان کی تحریریں جہاں فکر و عمل کے در وا کرتیں، وہاں اُمید اور حوصلے کی نوید بھی سناتیں...!!

ان کی ناگہانی موت پر ان کے حلقۂ احباب پر ایک سکوت طاری ہے، گدھوں کے اس معاشرے میں وہ ایک مردِ جری تھے جو باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا ہنر جانتے تھے۔ وہ ایک بیوروکریٹ تھے، اعلیٰ عہدے پر فائز سرکاری آفیسر، مگر اندر نہایت درویش صفت، پکے توحید پرست اور مجاہد انسان۔ ان کے جنازے پر ایک اعلیٰ فوجی افسر بریگیڈیئر عبدالحمید نے اپنے غم کو یوں زبان دی کہ آج ایک توحید پرست ہم سے جدا ہو گیا۔ گورنمنٹ ملازم ہوتے ہوئے بھی حق بات کہنے سے کبھی نہیں گھبرائے، سیکولر اور لادینی قوتوں کے خلاف وہ ایک آہنی تلوار تھے، جنہوں نے حق پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔

وہ ہمہ گیر شخصیت کے مالک انسان تھے، چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا، جنہوں نے باقاعدہ کوئی انجمن تو نہیں بنائی مگر وہ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ افکار اور جذبۂ حریت سے مالا مال ... بہت حساس موضوعات پر قلم اٹھایا، بالخصوص ناموس رسالت، اِس موضوع پر ان کا قلم شعلہ جوالہ بن جاتا اور قاری اس کی حدت اور گرمی محسوس کئے بغیر نہ رہ سکتا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی محبت میں سرشار نعت تو بہت سے لوگ پڑھتے ہیں مگر مجسم نعت بہت کم لوگ بن پاتے ہیں۔ عطاء اللہ صدیقی جب لکھتے تو نعت بن جاتے تھے، جب ان کا قلم سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت میں سرشار الفاظ کا رُوپ دھارتا تو پڑھنے والا اس کی تاثیر کو پوری شدت سے محسوس کرتا اور قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ جذبات اور دلائل کی قوت جب باہم ملتی تو عطاء اللہ صدیقی کا ہر استدلال ہمیں ایک نئی جہت سے روشناس کرواتا۔ سچا اور دیانتدار محقق وہی ہوتا ہے جو اپنی فکر سے انوکھے اور سچے موتی تحقیق کے دامن میں ڈالتا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہم الحقوق: تمام حقوق کی بنیاد اور سب سے بڑا حق نبی کریم ﷺ کی رسالت کا حق ہے۔ناموسِ رسالت کے حوالے سے ان کی یہ اصطلاح جداگانہ اور منفرد طرزِ فکر کی حامل ہے۔ عطاء اللہ صدیقی اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ موجودہ دور میں جہاں ہر طرف حقوق کی زبان میں مسائل کا چرچا ہو رہا ہے تو اسی حقوق کی زبان میں ناموسِ رسالت کا دفاع کیا جائے۔ عطاء اللہ صدیقی کا اس بات پر پختہ یقین تھا کہ حقوق میں سب سے بڑا حق اگر کوئی ہے تو وہ رسالتِ مآب ﷺ کا حق ہے۔ اگر اس میں کوتاہی رہ گئی، پھر تمام حقوق اکارت۔ اپنی وفات سے تین روز قبل وہ اپنی اہلیہ سے کہہ رہے تھے کہ میں نے ناموسِ رسالت پر جتنا کام کیا، اگر وہ بارگاہ الٰہی میں قبولیت پاجائے تو وہی میری نجات کے لیے کافی ہوگا۔ اللہ ان کے کام کو قبولیت بخشے۔ آمین!

مدیر 'محدث' بتا رہے تھے کہ مولانا نعیم صدیقی نے اپنی وفات سے پیشتر محمد عطاء اللہ صدیقی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں اپنا مشن آپ کے سپرد کرکے جارہا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ آپ اس مشن کو بخوبی احسن نبھائیں گے۔ نعیم صدیقی کے اس گمان کو اُنہوں نے آخری دم تک پورا کیا۔

ناتوانی اور بیماری میں بھی قلم و قرطاس سے ان کا بھرپور رشتہ استوار رہا، امریکہ نواز این جی اوز بالخصوص عاصمہ جہانگیر جیسی عورتوں کے اصل چہرے عوام تک لانا، انہی کا کام تھا۔ اپنے قلم سے لادینی قوتوں کے خلاف جہاد میں سرگرداں، اس بات پر ہمیشہ فکر مند رہے کہ اُن کے مشن میں کوتاہی نہ رہ جائے۔ پڑھنے لکھنے کے بے حد شوقین تھے، سیکرٹری معدنیات ہونے کے ساتھ ساتھ فنونِ لطیفہ کا بھی ذوق رکھتے تھے، مگر قلم و قرطاس سے دلی وابستگی تھی۔ اپنے اس شوق میں اس حد تک محو رہتے کہ کھانا تک بھول جاتے۔ اللہ ربّ العزت ان کے مخلص اعمال کو درجہ قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

اُن کی یادیں، ان کی باتیں، ان کا خلوص، ان کی فکر، ان کا اُسلوب تاحیات دلوں کو گرماتا رہے گا، کچھ لوگ مرتے نہیں، امر ہو جاتے ہیں، عطاء اللہ صدیقی امر ہوگیا...!!

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے　　　یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ

حافظ نذر احمد: قرآنِ کریم کا ایک اَن تھک خادم

حافظ نذر احمد اگست ۱۹۱۹ء میں جب پہلی جنگِ عظیم کے شعلے بجھ چکے تھے، الحاج ضمیر احمد شیخ کے ہاں، نگینہ ضلع بجنور، یوپی بھارت میں پیدا ہوئے۔ علاقہ کے معروف اور جید حافظ اور اپنے حقیقی ماموں نیاز احمد سے حفظِ قرآن اور برصغیر کے چوٹی کے پانچ قراء میں سے قاری محمد سلیمان سے تجوید پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں لاہور میں نقل مکانی ہوئی اور اس طرح یہ نگینہ لاہور میں فٹ ہو گیا۔ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل اُردو اور فاضل فارسی کے علاوہ انگریزی میں گریجویشن کی۔ آقا بیدار بخت اور جناب شادان بلگرامی اس دور کے اساتذہ ہیں۔ ترجمہ و تفسیر قرآن مجید کے سلسلے میں مولانا احمد علی لاہوری اور علامہ علاؤالدین صدیقی (وائس چانسلر) سے فیض پایا۔

تدریس: کا سلسلہ ایک مکتب کی پہلی جماعت کے طلبہ سے شروع کیا اور یونیورسٹی تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ۱۹۴۴ء تا ۱۹۵۷ء (تیرہ سال) بطورِ لیکچرار علومِ اسلامیہ فیض پہنچایا۔

شبلی کالج: قیام پاکستان کے وقت غریب، ملازمت پیشہ افراد کے لیے سرحد سے لاہور تک کوئی درسگاہ نہ ہونے کی وجہ سے چوک گڑھی شاہو لاہور میں ۱۹۴۸ء میں اپنے ہم زلف عبدالسلام قریشی کے ساتھ مل شبلی کالج قائم کیا۔ صبح انٹر کالج تک اور شام کو بی اے تک کلاسز کا آغاز درسِ قرآن سے ہوتا۔ تقریباً نصف صدی ر ۱۹۹۵ء تک ہزاروں طلبہ وطالبات نے اللہ کے فضل سے استفادہ کیا۔ کالج میں حافظ صاحب فیس کبھی گن کر نہ لیتے، لیکن پیسے کبھی بھی کم نہ نکلے۔ بک بنک بنایا جس سے مستحق طلبہ کی کتب کی ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔

خطابت: ایک سال بھیرہ (سرگودھا) میں نوجوانوں کے لیے اصلاحی پروگرام کامیابی سے خطابت کے ساتھ انجام دیا۔ لاہور سٹیشن کے ساتھ آسٹریلیا مسجد میں صلوٰۃ تراویح کے بعد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی بار خلاصہ تعلیماتِ قرآن کے نام سے ۴۰ منٹ بیان ہوتا، حاضری بھرپور ہوتی اور یہ کتابی صورت میں شائع بھی ہوا اور مقبول بھی۔ مسجد شاہ چراغ ہائی کورٹ میں علامہ علاؤ الدین صدیقی کے پہلے نائب خطیب بنے، پھر ان کی صحت کی خرابی تک مستقل خطابت کے فرائض انجام دیئے۔ یہاں عالمی ادارہ تبلیغ اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ جمعیتِ اسلامیہ کی طرف سے متعدد چھوٹے بڑے انگریزی اُردو رسالے شائع ہوئے۔

سیاسی زندگی: حافظ صاحب ۱۹۴۱ء میں اسلامیہ کالج میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور مارچ ۱۹۴۱ء میں کالج گراؤنڈ میں 'دوروزہ پاکستان کانفرنس' کے آفس سیکرٹری تھے جس میں قائداعظم نے ولولہ انگیز خطبہ ارشاد فرمایا۔ حافظ صاحب نے امرتسر، فیصل آباد اور فیروزپور اضلاع میں انتخابی دورے کئے۔ جمعیت علمائے اسلام کے قائد مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ کو صوبہ پنجاب کا نائب ناظم مقرر کیا۔

ادارہ اصلاح و تبلیغ کے ذریعے مہاجرین کی آبادکاری اور اُنہیں ضروری اشیا مہیا کرنے کے علاوہ ملازمتیں دلوانے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

شہری دفاع: آپ نے ملٹری ٹریننگ حاصل کی۔ شہری دفاع میں بطور ہیڈ وارڈن خدمات انجام دیں۔ رائفل کلب محمد نگر میں باقاعدہ نشانہ بازی کی تربیت کا اہتمام کیا۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں شبلی کالج کے طلبہ کو شہری دفاع کی تربیت دلوائی جنہوں نے کھیم کرن کے محاذ پر قابل قدر رضاکارانہ خدمات انجام دیں۔ کشمیری مہاجرین کی بے سروسامانی میں بھرپور خدمت کی۔ تین قسطوں میں پانچ ٹرکوں میں لاکھوں روپے کا سامان میرپور کے نواح میں کھلے آسمان کے نیچے پڑے ہوئے مہاجروں کو لباس، بستروں، سامان خوردونوش، برتنوں سمیت ضروری سامان پہنچایا۔

۱۹۷۱ء کی جنگ میں آپ کے کالج کے طلبہ نے اساتذہ سمیت فوجیوں کو محاذ پر تحائف کے پیکٹ سامان ضروریات کے علاوہ قلم اور پوسٹ کارڈ بھیجے جسے اُنہوں نے انتہائی قدر کی نگاہوں سے دیکھا۔

نیکی میں تعاون: حافظ نذر احمد کا زندگی بھر اس آیت پر عمل رہا: تعاونوا علی البر والتقویٰ۔ اختلاف کی صورت میں کھلی مخالفت کی بجائے خاموشی اختیار کرلیتے۔ مولانا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مودودی کے دارالسلام پٹھان کوٹ سے آنے جانے کے وقفے کے دوران لاہور میں ڈیڑھ سال مدرسہ، مسجد، ماہانہ رسالہ اور دارالاقامہ کی نگرانی کرتے رہے۔ اسلامی مشن سنت نگر کے نائب صدر، ہومیوپیتھک ٹرسٹ کے وائس چیئرمین، چوہدری رحمت علی میموریل ٹرسٹ، جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام اور کمیونٹی ڈویلپمنٹ سنٹر لاہور کے ممبر رہے۔ تعلیم القرآن سوسائٹی سمن آباد اور جمعیت تعلیم القرآن ٹرسٹ کراچی، ادارہ اشاعتِ علوم اسلامیہ ملتان کے علاوہ صدیقی ٹرسٹ کراچی کے ساتھ خصوصی تعاون کرتے رہے۔

حج و عمرہ کی سعادت: چھ سات بار حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی۔ متعدد بار عالمی تنظیم 'رابطہ عالم اسلامی' مکہ مکرمہ کی دعوت پر یہ سعادت ملی۔ الحمدللہ حافظ صاحب کے اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے علاوہ رابطہ سے تعاون اور عالمی سطح پر اشاعتِ اسلام کے مقاصد کے لیے ایک حد تک مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے۔

ایک بھٹکی ہوئی اماں کو جو بے چاری اَن پڑھ تھی، اس کو بڑی مشقت سے ہمراہ لے کر معلّم تک پہنچایا کہ یہ بھی دراصل ایک سنت پر عمل کا ثبوت تھا۔ حرم کعبہ میں آسان ترجمہ کے حوالے سے کچھ تحریر فرما رہے تھے۔ گزرتے ہوئے ایک عرب شیخ کے استفسار پر بتایا تو اُس نے جیب سے گنے بغیر کافی ریال نکال کر دے دیئے۔ حافظ نذر احمد نے چندہ لینے سے معذرت چاہی تو کہا: "اس مشن میں میری طرف سے اللہ کی رضا کے لیے سیاہی کے لیے ہی قبول فرمالیجئے کہ نجات کا ذریعہ بن جائے۔"

فتح الحمید: مولانا عبدالحمید کا ترجمہ قرآن آپ نے جدید ترتیب کے ساتھ سطر بہ سطر کیا جسے انجمن حمایت اسلام، لاہور نے شائع کیا۔

طب نبوی ﷺ میں حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ

"حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ تو صاحبِ وحی تھے، میں نے موضوع سے متعلق ہر حدیث اس لالچ سے چن لی ہے کہ معلوم نہیں کون سی بات کس کے دل میں اُتر جائے اور ذریعہ ہدایت بن جائے اور یہی بات اپنی نجات کا ذریعہ قرار پائے۔ نیز آپ ﷺ کے معالجات کی افادیت اور ان کے تیر بہدف ہونے میں کسی شک وشبہ کی ہرگز گنجائش نہیں۔"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقوق و فرائض کتاب کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"کئی سال پہلے کی بات ہے، مئی جون ۱۹۵۷ء کی کوئی تاریخ تھی کہ صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے ایک نیک دل بزرگ نے حقوق و فرائض کے موضوع پر کچھ لکھنے کی تحریک دی۔ کئی سال گذر گئے۔ الحمدللہ رُبع صدی قبل اس تحریک پر عمل ہوا، ستمبر ۱۹۸۰ء میں تیرہ ماہ کے بعد ۵۱ عنوانات پر مشتمل کتاب وجود میں آئی۔ یہ الفاظ بھی "حررّہ في بيت الله الحرام" تھے۔

ادارہ تنظیمات اشاعت اسلام کے قیام کے سلسلے میں چودھری عبدالعزیز چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کے ہاں جمع ہوئے تو حافظ صاحب نے سیکرٹری بننے سے معذرت کی اور قرعہ فال میرے نام پڑا، اللہ قبول فرمائے۔ اس موقع پر آپ نے تعلیم القرآن کورسز کے سلسلے میں اظہار کیا کہ میرے اکیلے ناتواں کندھوں پر بوجھ ہے۔ چودھری عبدالعزیز مرحوم نے خواہش کی کہ پروفیسر صاحب آپ تعاون فرمائیں۔ الحمدللہ جیلوں سمیت تعلیم القرآن کورسز کی مارکنگ کا کام اللہ نے مجھ ناچیز سے رُبع صدی سے زیادہ لیا۔ آج کل حافظ نذر احمد کے قائم مقام ان کے فرزند ڈاکٹر فاروق احمد اور میرے قائم مقام شیخ عبدالرحمٰن ہیں۔ اللہ اُنہیں ہمت دیئے رکھے اور اخلاص بخشے۔

ریڈیو میں بے شمار عنوانات پر آپ کے پروگرام اشاعت قرآن کے سلسلے میں نشر ہوئے۔ وقت کی بہت قدر کرتے۔ ایک صاحب نے حدیث کے حوالے سے کوئی کام کروانا چاہا۔ معذرت کے باوجود وہ مصر رہے تو حافظ صاحب نے ۴ ماہ کا وعدہ کیا۔ وہ حیران ہوئے کہ چھوٹے سے کام کے لیے چار ماہ؟ حافظ نذر احمد نے فرمایا کہ نظام الاوقات کا جائزہ لینے سے پتہ چلا کہ دس منٹ روزانہ دے سکوں گا، لہٰذا چار مہینے کے بعد آیئے۔ وہ چار ماہ بعد آئے تو کام تیار تھا۔

اتحاد اُمت کے داعی: حافظ صاحب اتحادِ اُمت کے داعی تھے۔ فرقہ وارانہ اختلافات کم کرنا بلکہ بالکل ختم کرنا ان کا اہم ہدف تھا۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے کئی بار علما کے اجلاس اپنے گھر بلائے۔ سب نے مل کر کھانا بھی کھایا اور نماز بھی اکٹھے باجماعت ادا کی۔

آسان ترجمہ قرآن کریم: حافظ صاحب نے ترجمہ اور تسوید و ترتیب کے بعد نظر ثانی کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے مولانا عزیز زبیدی مدیر مجلّہ اہل حدیث لاہور، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی اور مولانا عبدالرؤف ملک خطیب جامع آسٹریلیا لاہور سے درخواست کی۔ پانچ چھ پاروں کے بعد مولانا عزیز زبیدی اور مفتی محمد حسین نعیمی نے اپنی اپنی علالت کی وجہ سے معذرت کی تو حافظ صاحب نے مولانا پروفیسر مزمل احسن شیخ، مولانا محمد سرفراز نعیمی الازہری اور مولانا سعید الرحمٰن علوی کو بھی اس پینل میں شامل کرلیا۔ راقم الحروف کو انہوں نے فرمایا کہ کسی اہل حدیث عالم سے نظر ثانی کی درخواست کریں۔ میں نے سیدی حافظ صلاح الدین یوسف اور بعدہ برادر حافظ عبدالرحمٰن مدنی سے درخواست کی لیکن ان دونوں کی معذرت پر حافظ صاحب نے مجھے حکم دیا۔ میں نے اپنی کم مائیگی اور کم علمی کی بنا پر بیڑہ اُٹھانے سے بچنا چاہا لیکن آپ نے فرمایا: بس آپ نے ہی یہ فرض انجام دینا ہے۔ الحمدللہ کہ بندہ عاجز نے اللہ کی توفیق سے نظر ثانی کے بعد نظر ثالث کے فرائض بھی انجام دیئے، اللہ قبول فرمائے۔ وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب!

اس پینل میں سے مولانا ملک عبدالرؤف اور بندۂ عاجز خادم العلم والعلماء محمد مزمل احسن کے علاوہ سبھی اللہ کے حضور پہنچ گئے ہیں۔ اللہ ہم سب کو جنت الفردوس میں اپنا اور اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا قُرب اور دیدار ہمیشہ کے لیے عطا فرمائے۔ آمین

حافظ صاحب کا جنازہ ہفتہ، ۴ ستمبر ۲۰۱۱ء کو اُن کے بیٹے محمد احمد (ریٹائرڈ پرنسپل ماڈل کالج، اسلام آباد) نے پڑھایا۔ دو بیٹوں کے علاوہ تین بیٹیاں اُنہوں نے پیچھے چھوڑیں۔ اللہ پس ماندگان کو صبر جمیل دے اور مشن کو جاری رکھنے کی سعادت سے بہرہ ور فرمائے رکھے۔

ہمارے علماے کرام اور اساتذہ حضرات کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ ہمارا اکثر وقت بے مصرف گزرتا ہے حالانکہ اللہ نے سچ فرمایا: ''زمانے کی قسم، انسان یقیناً گھاٹے میں ہے سوائے ایمان، اعمال صالح بجالانے اور حق وصبر کی وصیت کرنے والوں کے۔''

یہی ہے عبادت یہی دیں ایماں
کہ کام آوے دنیا میں انسان کے انساں

میں اسی لئے مسلمان میں اسی لیے نمازی
میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.mohaddis.com

CPL No. 49
Vol 43 No 9-10
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکارِ انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ =/۳۰ روپے ——— زرِ سالانہ =/۳۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700